ہو الکل

اللہ اکبر

خطوطِ اکبر

بنام

مصورِ فطرت حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی دہلی

جس میں

لسان العصر حضرت مولانا سید اکبر حسین الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ سو خطوط کا انتخاب ہے

اپریل سنہ ۱۹۲۶ء دوسری بار

ابنِ عربی نظامی کارکن حلقۂ مشائخ بکڈپو دہلی نے

شاہجہانی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیے

قیمت عہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطوط حضرت اکبر الہ آبادی

اللہ کی قدرت ہے یہ بات خیال میں بھی نہ تھی کہ لسان العصر حضرت مولینا سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی کے خطوط اُن کی رحلت کے بعد شائع ہونگے، کیونکہ اُن کی زندگی میں ان کی اشاعت کا سامان ہوچکا تھا، اور ایک خاص حصہ مکتوبات کی انھوں نے اپنے قلم سے اصلاح و نظر ثانی بھی کردی تھی۔ مگر اسباب ایسے پیش آتے رہے کہ سالہا سال تک ان کا چھپنا ممکن نہ ہوسکا۔ بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت بعض خطوط کی اشاعت میں تامل فرماتے تھے، اور وہی میرے خیال میں ازبس ضروری تھے اور میں اُنکے شائع کرنے پر اصرار کرتا تھا۔ خردانہ و بزرگانہ بحث کا خاتمہ نہ ہونے پایا کہ موت نے ۹ محرم ۱۳۴۰ھ کو جمعہ کے دن خود حضرت اکبر کی زندگی کا مباحثہ ختم کردیا

تابعدار غلام پر آقا مہربان ہوتا ہے تو غلام اس پر ناز کرنے لگتا ہے، اور بعض اوقات وہ آقا کی مرضی کے خلاف اس کی رائے میں دخل دیتا ہے۔ لیکن جب بدقسمتی سے آقا کا سایہ غلام کے سر سے اُٹھ جاتا ہے تو اس کی آنکھیں کھلتی ہیں، اور وہ آقا کی مصلحتوں پر غور کرتا ہے اور پھر اسکی بھی وہی رائے ہوجاتی ہے جو آقا کی تھی۔

میں نے حضرت اکبر سے بارہا عرض کیا کہ آپ کی شخصیت اتنی اعلیٰ ہے کہ جزئیات میں احتیاط کرنے کی کچھ ضرورت نہیں، نہ آپ حکومت کا اسطرح بات بات میں لحاظ کیا کیجئے نہ پبلک کا اور جو آپ کا خیال ہو آزادی و بیباکی سے اس کو ظاہر کردیا کیجئے۔

اس پر ارشاد ہوا کرتا تھا کہ میری طبیعت پر بسبب ضعف جسمانی و غم والم اوہام کا غلبہ رہتا ہے اور جزئیات میں بعض امور ایسے ہوتے ہیں جنسے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور غلط فہمیوں سے میرے اوہام مشتعل ہو جاتے ہیں اور پھر ان سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ آج میں خود محسوس کرتا ہوں کہ حضرت کی احتیاط اصول حیات کے موافق تھی۔ اور میرا خیال زیادہ صحیح نہ تھا۔ چنانچہ جن خطوط کی اشاعت کو وہ پسند نہ فرماتے تھے اور انکے روکنے سے مجکو تکلیف ہوتی تھی اور میں خیال کیا کرتا تھا کہ حضرت کی وفات کے بعد میں انکو ضرور شائع کر دونگا۔ ان کو اب نظر ثانی کے وقت خود میں نے ناقابل اشاعت تسلیم کر لیا اور آیندہ حالات کے انتظار کے لئے ان کو امانت میں رکھدیا گیا۔

سنہ ۱۹۱۰ء سے میری نیازمندی کا عہد شروع ہوتا ہے اور حساب کیا جائے تو سنہ ۱۹۱۰ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک گیارہ برس کا زمانہ کچھ بہت بڑی مدت نہیں ہے حضرت اکبر کی بعض لوگوں سے خط و کتابت پچاس برس رہی مگر میری خوش نصیبی اور اللہ کا فضل ہے کہ مجھ سے زیادہ حضرت کے خطوط اور کسی کے پاس نہیں ہیں۔

ناقابل اشاعت خطوط میں بڑا حصہ تو میری تلقین باطنی کے متعلق ہے جسکو میں اصول مشائخ کے بموجب صرف اپنا ذاتی حق خیال کرتا ہوں کیونکہ ان میں عوام کی دلچسپی اور فائدہ کی باتیں بہت کم ہیں اور ان کا تعلق زیادہ تر میری ذاتی اصلاح سے ہے۔

دوسرا حصہ حکومت اور ملک کے چند مخصوص اشخاص کے متعلق ہے، اور اسکو بھی میں صرف اپنی تربیت کا سبق خیال کرتا ہوں اور یقیناً میرے تجربہ کو تربیت دینے کی نیت سے یہ خطوط لکھے گئے تھے اور لکھدیا جاتا تھا کہ ان کو مخفی رکھا جائے۔

تیسرا حصہ ملک کی مخصوص مذہبی و تمدنی بحثوں کی نسبت تھا اور ان میں چند نامزد اشخاص کی ذاتیات کا ذکر آتا تھا، اس واسطے میں نے ان کو بھی ناقابل اشاعت خیال کیا۔

اس تیسرے حصہ میں میرے مکرم دوست جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کا تذکرہ کثرت سے ہے، اور ان کی مثنوی "اسرار خودی و رموز بے خودی" پر مباحثے ہیں اور ہر خط نہایت طویل اور معانی و حقائق کا ایک دفتر ہے۔ لیکن چونکہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے مثنوی اسرار خودی کی اس روش کو بدل دیا جس پر یہ خامہ فرسائی کی گئی تھی اور جس پر میرا اور جناب ڈاکٹر صاحب کا اختلاف پیدا ہوا تھا اور میں نے دیکھا کہ آخر زندگی میں حضرت اکبر بھی جناب ڈاکٹر اقبال صاحب کے مداح و مشتاق ہو گئے تھے۔ اور امور اہم میں ان کو اپنا محرم راز و شریک بزم فرمانے لگے تھے۔ اس واسطے میں نے ان خطوط کو آیات منسوخ کی طرح صحیفۂ مکتوبات سے جدا کر دینا ضروری سمجھا بلکہ اگر ان کے اندر بعض لاجواب معانی و حقائق نہ ہوتے تو ان کو ضائع کر دیتا، مگر ضائع کرنے کو دل نہ چاہا اور وہ صرف عوام کی نظروں سے محفوظ کر دیئے گئے۔ تاہم چند خطوط لطیف اشارے کنائے کے باقی رکھے تاکہ حضرت کی افتاد طبیعت اور میلان تصوف کا اظہار ہو جائے۔

اسی تیسرے حصہ میں شیعہ سنی کی مباحث بھی بہت تھیں اور چونکہ انکا تعلق بعض خانگی وجوہات سے تھا اور میں ان جھگڑوں کو مسلمانوں کے لئے کچھ مفید بھی نہیں سمجھتا اس واسطے یہ خطوط بھی اشاعت سے خارج کر دیئے گئے۔

اسی حصہ میں حضرت نے اپنے ذاتی اور دیگر چند مخصوص اشخاص کے خانگی احوال پر خامہ فرسائی کی تھی اس کو بھی میں نے محفوظ رکھنا ضروری سمجھا۔

غرض ایک بڑے دریا کا ایک چھوٹا قطرہ منتخب کر کے شائع کیا جاتا ہے جو باوجود کمی کے اس قدر دلچسپ، بلیغ، اور سبق آموز ہے کہ اردو زبان صدیوں اس کے وجود پر فخر کرے گی اور آیندہ نسلیں اس کو درس کے طور پر پڑھا کریں گی۔

مضامین خطوط ان شائع شدہ خطوط کے مضامین کو جداگانہ حیثیت سے

دیکھا جائے تو ان کی بنیاد صرف یہ خواہش پائی جائیگی کہ حضرت اکبر مجکو اپنے قریب رکہنا یا خود میرے قریب رہنا چاہتے تھے۔ اور یہ جذبہ اس قدر وسیع اور بے پایاں تھا کہ اکثر خطوط کی تحریر کا باعث اسی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ حادثہ مسجدِ کانپور کے دن میں الہ آباد سے روانہ ہو کر میرٹھ گیا اور چند گھنٹے کانپور میں ٹھیرا اس بنا پر حکام کو یہ شبہ ہوا کہ حضرت اکبر بھی واقعات فساد میں درپردہ شریک تھے۔ چنانچہ الہ آباد کے کوتوال اسی بنا پر مورد عتاب ہوئے کہ انہوں نے ان معاملات کی نگرانی نہ رکھی، اور حکام کو خبردار نہ کیا۔ اور حضرت اکبر پر بھی بلحاظ ان کی شخصیت کے اظہار ناراضی کیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد کئی سال تک میں الہ آباد نہ جا سکا کیونکہ حکام کی اجازت نہ تھی اور پولیس میری نگرانی کرتی تھی۔ اس مشکل کو دور کرانے کے لئے حضرت نے بہت کوشش فرمائی اور کوئی ذریعہ باقی نہ چھوڑا چنانچہ شائع شدہ خطوط میں اسکی پوری جھلک پائی جاتی ہے، اگرچہ میں نے ان واقعات کے متعلق تمام خطوط شائع نہیں کئے ہیں۔

میری صفائی کے لئے اس قدر جدوجہد محض اسواسطے تھی کہ میں آزادی کیساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو سکوں اور حکومت کی طرف سے کوئی مزاحمت باقی نہ رہے۔

ستمبر ۱۹۱۸ء میں جب مجکو سیاسی شبہات سے رہا کیا گیا اور الہ آباد کی آمدورفت آزاد ہو گئی اسکے بعد بھی اکثر خطوط میں یہ میلان بکثرت پایا جاتا ہے کہ میں حضرت کے قریب رہوں یا حضرت میرے پاس رہیں۔

اس بنیادی مضمون کے بعد حضرت کے خطوط میں یادِ خدا اور تصوف کا مضمون غالب نظر آتا ہے۔ پھر خانگی پریشانیوں کا اظہار ہے، پھر مسلمانوں کی حالت ہے، پھر ملکی اشارے ہیں

حس کی نزاکت

تمام خطوط پر غور کرنے سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت کا حس بہت ہی نازک تھا اور وہ ایک معمولی بات سے غیر معمولی طور پر متاثر ہو جاتے تھے، چنانچہ اخبار تہذیب نسواں کے ایک معمولی اعتراض کی نسبت انکے متعدد خط اس مجموعہ میں ہیں اور

اخبار وکیل کے طعن پر بھی انہوں نے کئی خطوط لکھے ہیں۔

حکام کے شبہ کو بہت زیادہ محسوس کرنا اور اس سے متاثر ہو جانا بھی نزاکت احساس کا تقاضا تھا۔ اور اوہام کی کثرت تھی ورنہ یہ معاملات کچھ زیادہ اہم نہ تھے۔

کچھ تو قدرتی طور پر وہ نازک مزاج تھے اور کچھ ذہن کی غیر معمولی تیزی انکو پریشان کرتی تھی، اور کچھ جسم کی کمزوری اور اعصاب دماغ و قلب کی ناتوانی کا بھی اس میں دخل تھا۔ اور کچھ یہ سبب تھا جسکو وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ شباب میں ایک مرض کے علاج کے لئے ان کو کوئی ایسی تیز دوا دی گئی تھی جس سے خلطِ سوداوی میں احتراق پیدا ہو گیا تھا جو وفات کے وقت تک کبھی کبھی عود کیا کرتا تھا۔ اور اسی جوش اوہام کی حالت میں وہ اپنے حواس کو قابو میں نہ رکھ سکتے تھے۔

خطوط کی بلاغت شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کے خطوط میں زبان کی خوبیاں ہیں اور بیساختگی کا انداز ہے۔ میرزا غالب کے خطوط میں انتہا درجہ کی سادگی اور بیساختگی ہے اور جدت ہے، اور فلسفیانہ باریکیاں خاص دلچسپ انداز سے بیان کی گئی ہیں، مگر اکبر کے خطوط میں یہ باتیں بھی ہیں اور ایک خصوصیت سب سے اعلیٰ ہے کہ بہت بڑے مضمون کو دو لفظوں میں ادا کر جاتے ہیں اور کسی بات یا کسی شخص سے اختلاف کرنے میں تو اُنکی بلاغت ایسا کمال کرتی ہے کہ لطف آجاتا ہے اور اُسکی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جسکے خلاف کچھ لکھتے ہیں وہ بُرا نہیں مانتا کیونکہ الفاظ کی بندش ہی اس قسم کی ہوتی ہے کہ ناگوار خاطر نہ ہو بعض خطوط میں مجھ پر سخت عتاب ہوا ہے اور میں چونکہ اُنکے مزاج سے واقف تھا اسواسطے فوراً سمجھ جاتا تھا کہ یہ خط کیسی خفگی ظاہر کر رہا ہے اگر ناظرین مجموعۂ ہذا کو یہ مشکل محسوس ہوگا کہ خفگی نامہ کونسا ہے۔

ایڈیٹر اخبار مشرق کے نام چند خطوط حضرت اکبر نے لکھے تھے اور ان میں سے بعض اس قابل تھے کہ اُنکو اشکل تشائع کرنے سے احتیاط کی جاتی، مگر حکیم برہم صاحب نے اُن کو ایڈ

اخبار میں تمام وکمال درج کردیا اور گرم مزاج جماعت کو حضرت کے خلاف رائے زنی کا موقع دیا۔

باوجود ان ذاتی تعلقات کے جو میں حکیم برہم صاحب سے رکھتا ہوں میرا فرض ہے کہ میں مشرق کے شائع شدہ خطوط کی نسبت یہ لکھوں کہ حضرت اکبر نے یہ خطوط اصلی رائے کی بنا پر ہرگز نہیں لکھے تھے بلکہ حکیم صاحب کو گورنمنٹ رسیدہ سمجھ کر اور مسٹن صاحب کا محرم راز خیال کر کے لکھے تھے کیونکہ ان کو وہم ہو گیا تھا کہ مسٹن صاحب کی گورنمنٹ انکی نگرانی کرتی ہے اور ان کو اپنے بعض دوستوں سے ملنے اور خانگی اطمینان میں مشکلات در پیش ہیں اسواسطے انہوں نے حکیم برہم صاحب کو خوش کرنا چاہا تاکہ پیچیدگیاں رفع ہوں چنانچہ میرے معاملہ میں انہوں نے حکیم برہم صاحب سے صاف صاف خط و کتابت کی اور حکیم صاحب نے نینی تال جانے کا وعدہ بھی کیا، اور حضرت نے ایک خط میں مجھکو لکھا کہ مصارف سفر نینی تال حکیم صاحب کو دے جائیں۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ حضرت اکبر پچاس ساٹھ برس سے لگاتار مغربی تہذیب اور مغربی حکومت کی نسبت ایک آزاد اور بے لاگ رائے رکھتے تھے اور اس کو شائع فرماتے رہتے تھے۔ حالانکہ آزاد خیالی کی لہروں کا اسوقت کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ البتہ وہ بے نتیجہ اور احکام مذہب کے خلاف آتش بیانیوں کو پسند نہ فرماتے تھے۔

خطوط کی خصوصیت حضرت اکبر کے خطوط میں ایک خاص بات یہ ہوتی تھی کہ ان کا ہر مخاطب یہ خیال کرنے لگتا تھا کہ مجھ پر حضرت کی خاص نظر عنایت ہے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ خالص مشرقی آداب رکھ رکھاؤ کے مطابق خطوط لکھتے تھے اور ہر شخص کو اس کی حیثیت سے زیادہ خوش کرنا چاہتے تھے۔

چونکہ آجکل ہندوستان میں مختلف الخیال حضرات کی کثرت ہے اور حضرت کے احباب میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے اسواسطے خطوط کا مختلف الخیال ہونا لازمی ہے اور اس پر

بعض حضرات کو نکتہ چینی کی سوجھتی ہے۔ چنانچہ ایک نامور صاحب نے مجھ سے کہا کہ انکی تحریروں میں غلامانہ عنصر بہت غالب تھا۔

میرا خیال ہے کہ جس قوم میں حضرت اکبر تھے، اور جس ملک میں انکی ولادت ہوئی تھی وہ مدت سے غلام بن چکی تھی اور غلامی نے اس پر تسلط کر لیا تھا۔ حضرت اکبر کی تحریریں میں بالفرض غلامی کا انداز ہو بھی تو تعجب کا مقام نہیں۔ حیرت اس پر ہے کہ آزادی کا غل مچانے والے اور یورپ کی ہوا میں جاکر تعلیم و تربیت پانیوالوں کے تو عمل میں غلامی کا عنصر غالب نظر آتا ہے حالانکہ حضرت اکبر کے صرف قول پر یہ اعتراض ہی، مگر عمل پر اس طعن کی مطلق گنجایش نہیں ہی۔

میرے تعلقات کی ابتدا حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میرے دل میں آپکے تعلق کی بنیاد اس واقعہ سے پڑی کہ ایک دفعہ آپ میرے ہاں آئے، میں اپنی اہلیہ کی میت کو دفن کرکے گھر میں آیا مغموم بیٹھا تھا، آپ آئے تو میں نے کہا آج آپ کیوں آئے ہیں آپکو کھانا کیونکر کھلاؤنگا میرے گھر میں یہ حادثہ ہوگیا ہی تو آپنے کہا کچھ مشکل نہیں ہی خدا نے مجکو آپ کا غم غلط کرنیکو بھیجا ہی بازار سے دو پیسہ کی خمیری روٹیاں اور ایک پیسہ کے کباب منگا لیجیئے۔ وہ مجکو کافی ہونگے آپکو زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ارشاد ہوا، میں نے ایسا ہی کیا اور تین پیسہ کا کھانا آپ کے لئے منگایا جسکو آپنے خوشی خوشی کھا لیا جب آپ کھا رہے تھے میں دیکھ رہا تھا کہ آپکو ایک معمولی کھانے میں کچھ تکلف تو نہیں ہی مگر جب میں نے دیکھ لیا کہ پوری بے تکلفی سے کھایا گیا تو میرے دل میں آپکی جگہ دوامی طور سے قائم ہوگئی۔

بیشک یہ واقعہ ہوا تھا مگر میرا خیال یہ ہی کہ ازلی مناسبت اس تعلق کا باعث تھی جب کبھی حضرت اکبر کے ہاں کوئی حادثہ ہوتا تو قدرتی طور سے خود بخود میرے دلکو خبر ہو جاتی تھی اور میں سب کام چھوڑ کر الہ آباد پہنچ جاتا تھا اور حضرت کے اس کام میں شریک ہوتا تھا چونکہ انکی طبیعت مشرقی تھی سواسطے وہ اس شرکت کو بہت محسوس فرماتے تھے اور مجکو اپنا شریک حال سمجھنے لگتے تھے۔

وہ مجکو اپنا فرزند سمجھتے تھے سید ہاشم مرحوم کے انتقال کے بعد اُنکا التفات میری جانب بہت بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ سید عشرت حسین انکے بڑے صاحبزادے ملازمت کے سبب انکے پاس نہ رہ سکتے تھے اور میں نیازمندانہ خوردی کیساتھ بار بار انکی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اسواسطے وہ مجکو اپنے فرزند کیطرح عزیز رکھنے لگے تھے۔ گو وہ بعض اوقات عام مجمع میں میرے مریدوں سے کہدیا کرتے تھے کہ میں بھی تمہارا پیر بھائی ہوں اور حسن نظامی میرے بھی پیر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مجکو خاص مریدوں کیطرح سلوک تصوف کی تعلیم دی ہے اور میں نے متعدد جگہ لکھا ہے کہ وہ میرے مرشد معنوی ہیں۔

قصہ مختصر ان خطوط میں جو میرے نام ہیں مذکورہ حالات کا پورا نظارہ موجود ہے اور ناظرین خود اسکا اندازہ کرسکیں گے۔

خطوط کے حصے خطوط کے اس پہلے حصہ میں صرف میرے نام کے خطوط ہیں یا مولوی نور الحسن صاحب جسٹرار اور واحدی صاحب اور میرے خسر صاحب کے نام کے چند خطوط اسمیں لئے گئے ہیں دوسرے حصہ میں انشاء اللہ دیگر حضرات کے نام کے خطوط شائع کئے جائینگے جو بہت سے جمع ہوگئے ہیں اور کچھ ہورہے ہیں ان میں بعض اصحاب کے نام کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں اور قابل دید ہیں۔

جزئی خصوصیات حضرت اکبر دیسی قلم اور دیسی سیاہی سے خط لکھتے تھے، انکا خط پختہ تھا جسکی تصویر اس مجموعہ میں دیگئی ہے، وہ ہر شخص کے خط کا جواب لکھتے تھے اور جواب دینے میں بہت دیر نہ کرتے تھے وہ کارڈ زیادہ استعمال کرتے تھے اور اسی پر ایسا باریک لکھتے تھے کہ بڑے لفافہ کا مضمون کھپ جاتا تھا۔ لفافہ لکھتے تو دو پیسہ والا معمولی لفافہ ہوتا تھا، چوڑا لفافہ بہت کم استعمال کرتے تھے، چنانچہ میں نے حساب کیا تو اسی فیصدی معمولی لفافے ہیں اور دو فیصدی چوڑے، اور ساٹھ فیصدی کارڈ، وہ لفافہ کے اندر کاغذ بھی معمولی رکھتے تھے اور بعض اوقات میرے خطوط پر چند سطریں لکھکر واپس کردیتے تھے۔

میرے نام بعض ایام میں ایک ایک دن میں انہوں نے پانچ پانچ خط لکھے ہیں یعنی ایک صبح لکھا اور اسکو ڈاک میں ڈلوادیا پھر کچھ دیر بعد کوئی خیال آیا تو اسکو بھی لکھدیا اور پھر کچھ یاد آیا اسطرح شام تک پانچ

ہوالکل　　یا معین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطوطِ حضرت اکبر الہ آبادی

مرید پرور سلامت۔ ارادت دلی۔ کوئی عنایت نامہ آپ کا نہیں پہنچا خوشی ہوئی کہ آپ اچھے ہیں، خدا اچھا رکھے "اب کوئی صورت آنے کی نظر نہیں آتی" اس سے بہت مایوسی ہوئی، ہاشم کے سبب سے مقید ہوں کسی تعطیل میں انکو ساتھ لیکر آ سکتا ہوں، بہت گھبراتا ہوں کہ کیا کروں۔ حور بانو کو دعا۔ خاکسار۔ اکبر۔ ۱۷ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء

قدم انگریز کلکتے سے دہلی میں جو دھرتے ہیں　　تجارت خوب کی اب دیکھیں شاہی کیسی کرتے ہیں

اکبر۔ ۱۶ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء

مکرمی سب سے پہلے میں حور بانو سلمہا کی خیریت پوچھونگا، آپنے عجب حسرت انگیز لفظوں میں اسکی علالت کی خبر لکھی تھی میں تو تار دیتا لیکن دوران سر تھا پڑا رہ گیا میں کبھی تحیّر میں مبتلا تھا۔ دو دن سے کچھ افاقہ ہے۔ آپ نے خوب سیریں کیں۔ حضرتِ اقبال کی مشغولی فی الطاعت سے نہایت خوشی ہوئی اس سے دل لگ جائے تو سلطنت ہیچ ہے ؎

چو مجنوں سر بر آورد از تہ خاک　　ندا آمد بدو از ایزد پاک

کہ اے مجنوں چہ آوردی بدرگاہ　　بر آمد از دل مجنوں یکے آہ

کہ چنداں شور لیلےٰ در سرم بود　　کجا پروائے روز محشرم بود

حبِ لیلیٰ کے تصور میں یہ محویت تھی تو لیلیٰ آفریں کی محبت میں کیا کچھ نہیں ہو سکتا، میں اُن کو مبارکباد لکھوں گا۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں وہ مجھے اصرار و شوق کے ساتھ مدعو کرتے ہیں۔ میری اسیری و معذوری کے حالات سے وہ آگاہ نہیں۔ خدا مسبب الاسباب ہے شاید نجات پا جاؤں۔ میر نیرنگ صاحب کو بھی مبارکباد دوں گا۔ خطاب لسان العصر تو انہی کا عطا کیا ہوا ہے۔ اللہ انکو فرید عصر کرے۔ آپ کے بھی بڑے مراتب ہیں کہ آپ طاعت گزاروں کے عاشق و طالب ہیں۔ میں نے ایک مقطع کہا تھا ؎

نازہے اپنی طبیعت پہ ہمیں اے اکبر ہیں مصیبت میں اور الہ میں خوش رہتے ہیں

دعا فرمایئے کہ اسی پر استقامت ہو۔ حضرت علیؓ کے مقولہ پر مطمئن ہو کر آپ بیٹھ رہے۔ خدا کرے امام آخر الزمان اشارت فرمائیں کہ اکبر سے مل آ۔ زمیندار صاحب نے مجکو بھی ایک آسامی سمجھ رکھا ہے۔ تار پہ تار آرہے کہ پیغمبر نمبر کیلئے کچھ بھیجئے۔ اول تو پیمبر پر نمبر کیسا لیکن اسی خیال ہی پہ چپ ہو رہا ؎

عہدِ انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر کیا تعجب ہے جو نکلا ہے پیمبر نمبر

اچھا نہ تھا۔ طبیعت حاضر نہ تھی۔ بالآخر چار مصرعے لکھ بھیجے ؎

مہر و مہ خوش ہیں روز خوش شب خوش وحشی و شست خوش مہذب خوش
ہیں غرض آپ کی ولادت سے مسٹر ابلیس کے سوا سب خوش

حور بانو کی خیریت لکھیے آئیے تو اسکو ساتھ لایئے۔ اکبر ۲۹ فروری ۱۹۱۲ء۔ الہ آباد

ڈیر خواجہ صاحب۔ آپ کے خط سے صاف نہ معلوم ہوا کہ آپ کو خرابی صحت نہیں چھوڑتی یا دہلی نہیں چھوڑتی یا خرابی صحت کے سبب سے آپ دہلی نہیں چھوڑ سکتے۔ خدا کرے اب آپ اچھے ہوں، میں نے ہاشم سے پوچھا تھا کہ میں دورن کے لئے دہلی میں خواجہ صاحب کی عیادت کر آؤں۔ وہ کہنے لگے کہ میں بھی ساتھ چلوں گا۔ بالفعل اگرچہ وہ اسکول نہیں جاتے

تیاری امتحان کی فرصت ہی لیکن اسکی تیاری میں مصروف ہیں۔ تیاری کیا ہے۔ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ میرا دل خون ہی لیکن آسمان دامن یار کو اسی خون کی گوٹ سے زینت دیا چاہتا ہے تو کیا چارہ ہے۔ کچھ نہ پوچھیئے کہ کن تردّدات و مصائب میں ہوں۔ سسرال کے رشتے کی ایک لڑکی جو انتظامِ طعام و حساب نویسی کرتی تھی وہ بھی چلی گئی ہے۔ کام تو ہوتے ہی جاتے ہیں لیکن بہت بے ٹھکانے۔

عشرت آخر مارچ میں شاید آئینگے۔ اُن کے لڑکے کا یہاں مکتب ہو گا، سیدھا سادہ کاش آپ صحیح ہوں اور تشریف لا سکیں۔ دنیا کا رنگ اور انداز طبائع دیکھکر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر تعلق کیا جائے، وطن و زمیندار کو آپ دیکھ رہے ہیں۔ حور کو دعا۔ واحدی صاحب کو سلام۔ خاکسار اکبر ۳ر مارچ ۱۹۱۲ء

حبیبی و مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی علالت کی خبر نے مجکو بہت تکلیف دی۔ آپ تو بالکل صحیح ہیں بلکہ صحت میں روز افزوں ترقی ہے۔ البتہ آپکی تندرستی نہیں ہے اور اس سے ہی بڑا کام ہی۔ آپکے لئے دل سے دعائے تندرستی کر رہا ہوں اور باضابطہ دعا بھی کرونگا انشاءاللہ مطمئن رہیئے۔ کیا کہوں عجیب ضیق میں ہوں۔ اگر امکان ہوا تو آپ سے ملنے کو آؤنگا۔ کیفیتِ مزاج سے مطلع فرماتے رہیے۔ آپ نے نہ لکھا کہ کیا شکایت ہے۔ کون معالج ہے۔ آپ ہیں کہاں۔

حور بانو سلمہا کو دعا۔ کل سے ہاشم بھی اچھے نہیں ہیں۔ معدے کی شکایت ہے۔ آج اسکول بھی نہ جا سکے۔ اسی وقت ڈاکٹر صاحب بلائے گئے ہیں۔

نیاز مند اکبر الہ آباد ۶ر مارچ ۱۹۱۲ء

جو کچھ لکھا ہی وہ بالکل پرائیوٹ ہے ؏ خموشی معنئے دارد کہ در گفتن نمی آید

فتنہ فرو کرنے کی کوشش چاہیئے۔ ہر پہلو سے ہمارا ہی نقصان ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ اگر کچھ اور لکھتے تو مجھ سے ملنے کے بعد یا بہرکیف کچھ انتظار اور صبر کرکے نیک دلی اور صحیح خیال کے نافذ کرنے میں بھی نیک اور صحیح طریق کی ضرورت ہے۔ بوجہ نیازمندی لکھتا ہوں۔ ورنہ مجھے کیا۔ میونسپل مولوی اور قومی شحنہ دونوں کو مکرم اور محترم سمجھتا ہوں اور ادب سے سلام کرنے کو تیار ہوں۔

ا۔ ح۔ الہ آباد ۲۵ مارچ ۱۹۱۲ء

مکرمی۔ فتوائے فطرت یہی ہے کہ دہلی میں رہیئے۔ تکلیفیں اٹھائیے۔ باسلیقہ نوکر ہم لوگوں کیلئے عنقا ہوتے جاتے ہیں۔ فارسی بھول جائیے غصہ کم ہو جائے۔ میرٹھ کا سفر بھی اس موسم میں زحمت سے خالی نہ ہوا ہوگا۔ نواب صاحب کے موٹر سے گرنے کا افسوس ہوا اور اپنا شعر یاد آیا ؎

عزم کر تقلید مغرب کا ہنر کے زور سے لطف کیا ہو گر لئے موٹر یہ زر کے زور سے

نواب صاحب کو آپ نے فرشتہ صفت لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے بھی زیادہ۔ فرشتے صرف نیک اور مقدس ہوتے ہیں عقل کی ان کو ضرورت نہیں کیونکہ صرف حکم خدا کی تعمیل کر دیتے ہیں۔ نواب صاحب عقلمند بھی ہیں۔ میرے قدیم عنایت فرما ہیں۔ حور کو پھر بلا بھیجئے گا اردو آجائے، مذہب سے واقف ہو جائے بس کافی ہے۔ بہت پیاری لڑکی ہے اور واجب الرحم ہے۔

اکبر الہ آباد ۲۲ مئی ۱۹۱۲ء

مکرمی۔ بانی بند ہونے پر آپکا مضمون خوب ہے۔ آپ کی ناموری مرلح کا افسوس ہے۔ یہاں چلے آیئے بالاخانہ پر تشریف رکھیے اتنو بارش کے دن ہیں۔ وہاں کے جھگڑوں سے نجات ملے گی

؎ حسن نظامی صاحب کو ایک سیاسی مضمون کی اشاعت پر نصیحت ہوئی تھی۔

لیکن شاید آپ کے بغیر وہاں کے کاموں میں حرج ہو۔ میں خود سکون و بے تعلقی چاہتا ہوں اور وہ میسر نہیں۔ لیکن میں تو زیادہ جینے کا گنہگار ہوں۔ ہاشم سلمۂ کو آپکے ہاں سے زیادہ کہیں آرام نہیں ملسکتا۔ اُنہوں نے باوجود کم عمری کے آپ کی محبت و شفقت کو محسوس کیا اور مجکو لکھا۔ تمام رکھہ رکھاؤ اُجلا رہا۔ میں تہ دل سے منت پذیر ہوں۔ یہ سچ ہے کہ آپ کا گھر بھی نہیں رہا لیکن ہمارے دلوں میں آپ کا گھر ہے۔

اکبر حسین۔ الہ آبادی ۱۰ جون ۱۹۱۲ء

مکرمی۔ دل یہی کہتا ہے کہ خاموش ہو رہو۔ بخدا کوئی دلچسپی دنیا سے نہیں رہی۔ یہ تو برسوں سے نہ تھی۔ شاید چالیس برس سے۔ البتہ ضرورت اس کی تھی تاکہ فراغ خاطر حاصل رہے۔ اب اسباب فراغ خاطر اسقدر کم ہوگئے کہ دنیا کچھ موافقت کرے بھی تو کیا۔ لیکن وہ موافقت کیوں کرنے لگی۔ اور اب تو وہ اس حالت میں ہے کہ صاحب بصیرت کو اُدھر مائل ہونا بالکل ناممکن ہے۔ آپ کا خط پڑھکر اور حور کی علالت کا حال سُن کر دل چاہا کہ فوراً اُٹھوں اور دلّی چلا آؤں۔ لیکن ہاشم کو کیا کروں پہلے ہاشم نے کہا میں بھی چلوں گا۔ پھر کہا کہ دیکھ چکا ہوں۔ آپ جائیے گا تو میں تین دن کو بیریانواں چلا جاؤں گا جہاں اب اُنکی بھاوج ہیں۔ دیکھیے کیا ہو سکتا ہے۔ پھر خط لکھوں گا۔ جو آپ کا حال وہ میرا۔ وہ نیرنگ کا۔ صاحب کا مریڈ کیوں اس قدر پریشان ہیں۔ اللہ تو ہے۔ ہاں یہاں آثار اچھے نہیں۔ ہو سکے تو چلا ئیے یا بالکل خاموش ہو بیٹھیے لیکن اسکو بھی کون سنبھالے۔

اکبر حسین۔ ۵ر نومبر ۱۹۱۲ء

ے سید ہاشم دہلی میں آکر مہمان ہوئے تھے اس کا اشارہ ہے۔

ے دہلی میں پانی کے نل ایک دن کے لئے شدت گرما میں بند ہوگئے تھے۔ خلقت بلبلا اٹھی۔ حسن نظامی نے عبرت کا مضمون لکھا۔

(نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۲)

کمرٹی۔ کارڈ پہنچا بیشک نازک وقت ہے اور آپ میرے پاس ہوتے تو اچھا ہوتا۔ آپ شریکِ غم ہیں اور اہلِ دل۔ میرے تمام خیالات اور فلسفے پر ہنوز شدتِ الم غالب ہے۔ سینہ میں الجھن، دماغ میں گرمی محسوس ہوتی ہے۔ بہت کم روتا ہوں۔ لیکن دل ہر وقت بھرا ہوا اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی رہتی ہیں۔ کوشش کرتا ہوں کہ ہاشم کے بدلے ہاشم آفریں کا تصور کر کے اس سے فریاد کروں، مدد چاہوں۔ لیکن وہ بھولی صورت اور پیاری آواز ہنوز چشم و گوش پر محیط ہے۔ پھر اُس بچے کے ارمان۔ اُسکی بے بسی۔ اُس کا اللہ اللہ کہتا رہنا۔ نازوں کو چھوڑ کر اس چودھویں سال کی عمر میں بیکسانہ اور عاجزانہ فریاد پر آجانا۔

معاذ اللہ۔ ان باتوں کی یاد دل پر بجلیاں گراتی ہے۔ میں تو اُس کا مذہبی فلسفہ تلاش کرتا ہوں یا قرآن و حدیث سے کوئی توضیح تاکہ دل کو فی الجملہ تسکین ہو۔ وہ لڑکا میری طبیعت کے سانچے میں ڈھل رہا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہوں۔ افسوس ہے کہ اس کے معانی پر پیشتر سے غور کر کے ان حوادث کے لیئے تیار نہ تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ کون تیار ہوتا ہے انا للہ کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی خدا کے لئے لڑکا بھی خدا کے لئے۔ میں سمجھتا تھا لڑکا میرے لئے بہر کیف دعا فرمائیے کہ طبیعت کو جلد کچھ سکون ہو جائے اور بعد ازاں بشرطِ زندگی توجہ الی اللہ کی لذت ملے۔ زیادہ نہ لکھ سکا۔ ا۔ ح

آپ کے نام خط و تار آئے تھے میرٹھ کے پتہ سے واپس کیئے گئے۔ کل میں قلم اٹھا سکا لیکن ابھی زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ عشرتی نے آپ کا کارڈ دیکھ لیا اور آپکا سلام پا گئے۔ خط لکھتے رہیے اور تسکین کی فکر رکھیے۔ باقی حالات پھر کہوں گا یا لکھوں گا۔ الہ آباد ۱۰ رجون ۱۳ء

پیارے خواجہ صاحب! اللہ تعالیٰ خوش اور تندرست رکھے۔ رات آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ یہ کیا معلوم کہ جو لکھنا تھا سب لکھ دیا۔ قلم کے ساتھ رہیں تو وائے مطلب ہو۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ قلم کہیں ہم کہیں۔ بار بار حواس کو مجتمع کرنا ہوتا ہے۔ پھر کیا سلسلہ

قائم رہے، کیا بیان مُدعا کی تکمیل ہو۔ اکثر یہ ہوا ہے، جوشِ دل سے کہا یا اللہ، ایک سکنڈ میں دل ہی سے جواب سُنا۔ کہو کیا کہنا ہے۔ اب بالکل بھول گئے، کیوں پکارا تھا، کیا گزارش کریں، سبحان اللہ و بحمدہ کہکر رہ گئے۔ انتشار طبع کی باتیں ہیں۔ لیکن دفع غم کے لئے بھی یہ حالت کسی قدر مانع ہے ؎

دل ہی کو غم نہیں کہ ہوا مبتلائے غم　　غم بھی بلا میں ہے کہ ہوا مبتلائے دل

اسی وقت مزاج پرسی کا کارڈ پہنچا۔ روحانی قوت کا باعث ہوا غش تو نہیں آیا لیکن یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ تبخیر نے دماغ کی حالت دگرگوں کردی تھی۔ خیر اب تو ترک صوم ہے۔ اگرچہ اس کا افسوس ہے۔ یعنی کیوں دماغ ایسا کمزور ہوگیا کہ تبخیر کا تحمل نہیں کرسکتا جان کیوں اتنی قوی ہے کہ غم دل شکن کا تحمّل کررہی ہے۔ زندگی ہے تو ستمبر اکتوبر میں امید ملاقات ہے۔ حضرت احسان الحق صاحب اسوۂ حسنہ کے لئے مضمون مانگتے ہیں کچھ لکھدونگا۔

خاکسار اکبر۔ الہ آباد۔ ۳ر اگست سنہ ۱۹۱۴ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ گرمی جمعیت حواس کی روادار نہیں۔ اور خط لکھنے کے لئے میں اسی کا منتظر تھا۔ بہت کچھ لکھتا۔ کیا دیکھا۔ کیا سُنا۔ کیسی گزری۔ لیکن طبیعت بجا نہیں، اُدھر آپ کو انتظار ہوگا۔ لہٰذا اس وقت صرف مہمان نوازی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ تولیا جو آپنے مرحمت فرمایا اس کو بوزن اولیا پاکر دلی پاکی کے حق میں نیک شگون لیتا ہوں۔ جملہ خدام کو میری یاد دلا دیجئے۔ حور بانو کو دعا۔ محمد صادق صاحب کو تسلیم۔ بی جلو کا شکریہ خوش مزاجی و خلوص خدمت۔

خاکسار اکبر۔ الہ آباد ۳ر مئی سنہ ۱۴ء

مکرمی! ابن احمد صاحب ہیر شر ہز آنر کے معتمدوں میں ہیں۔ میں نے سال گزشتہ میں آپ کے باب میں اُن سے مدد چاہی تھی، انہوں نے کہا آپ ہز آنر سے ذکر اُن کا کردیجیے گا

باقی میں دیکھ لوں گا۔ چونکہ صرف ذکر ہی پر خاتمہ نہیں ہوا بلکہ ہز آنر نے مجھ سے فرمایا کہ اُن کو میرے پاس بھیجدو۔ لہذا پھر میں نے ابن احمد صاحب سے کچھ گفتگو نہ کی لیکن آپ کے آنے کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اب جو یہ تحریک پھر شروع ہوئی ہے میں چاہتا ہوں کہ ابن احمد صاحب کو اُن کا وعدہ یاد دلاؤں۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طرف سے بھی ایک خط ابن احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا الٰہ آباد کے نام آجائے۔ مسودہ بھیجتا ہوں اسی پر دستخط کر کے یا دوسرا لکھ کر اسی عبارت میں یا بہ تبدیل عبارت مناسب ان کے نام روانہ کر دیجئے۔ حرج کیا ہے۔ ہوگا تو فائدہ ہی ہوگا یا کچھ نہیں۔

میں بھی ابن احمد صاحب سے ملوں گا۔ افسوس ہے کہ اب تک اچھا نہیں ہوں غیر معمولی شکایتیں ہیں۔ مختصر کارڈ آپ کا پہنچ گیا۔ آدمی کو کچھ کرنا چاہیئے جب ضرورت لاحق ہو۔ آئندہ اللہ کی مرضی۔

۷ راپریل ۱۹۲۵ء عہ

پتہ۔ جناب ابن احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ ۴ نمبر اسٹینلی روڈ۔ الٰہ آباد

الطاف فرمائے من۔ یہاں بارش نہیں ہوئی۔ شدت گرمی سے بےحواس ہوں آج سال کا سب سے زیادہ بڑا اور گرم دن ہے۔ ۲۴ رتک جان بچ گئی تو قیاس ہوسکیگا کہ گرمیوں سے بچ گیا۔

طرہ سنئیے ۱۵ ۔ ۲۰ دن سے دانتوں کے درد میں مبتلا ہوں۔ یہ موسم اور برف

عہ اس خط کے ہمراہ مسودہ موجود تھا۔ مگر حسن نظامی نے ابن احمد صاحب کو وہ خط نہیں بھیجا کیونکہ وہ مسودہ اُن کے مذاق کے موافق نہ تھا۔ حکومت صوبۂ دہلی نے صاف صاف کہا کہ مفتی صاحب سے صفائی کر لینی چاہیئے۔ لیکن حسن نظامی کو اپنا گناہ معلوم نہ تھا اس لئے خاموش رہا۔

کیسی سادہ پانی ایذا دیتا ہے۔ سخن سازی سے قطع نظر سخن بازی کر رہا ہوں۔ اللہ جلد آرام عطا فرمائے۔ کھانے پینے کا افسوس ہے۔ نماز و قرآن میں اشارہ سے انتشار ہوتا ہے اللہ اس عقیدہ کو خوش رکھے کہ تکلیف سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ میری جمع پونجی تو یہی ہے۔ خط کا جواب کل یا پرسوں لکھوں گا۔ اس وقت جمعیت حواس دشوار ہے۔ آپ نے خوب کیا سفرِ دکن بالفعل ملتوی رکھا۔ شب برات کا لحاظ ضرور تھا۔ خیر زندوں کی آپ نہ سُنتے، مُردوں کی مروّت تو ضرور تھی۔ لڑکوں کو دعائیں، بوڑھوں کو تسلیم۔ سب سے التماس دعا۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۱ جون ۱۹۱۵ء

ڈیر خواجہ صاحب! میں نے بدریافت خیریت صادق علی صاحب کو دہلی خط لکھا تھا پوچھا تھا کہ حور کیسی ہیں۔ جواب نہ آنے سے تعلق خاطر تھا۔ اس وقت آپ کے خط نے مطمئن کیا۔

میں کیا کہوں بدن پر کیا گذر رہی ہے، دل پر کیا گزر رہی ہے، خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں مگر شدت غیرت نے بہت کچھ خاموش کر دیا ہے، ذہن کو نہیں بلکہ زبان قلم کو وہ زبان قلم نہیں جو حالات کو نوٹ کر لیتی ہے بلکہ وہ زبان قلم جو چلکر اڈیٹروں تک پہنچتی ہے۔ رات جب تبخیر کی شدت تھی۔ جیسا قریبًا ہر شب ہوا کرتا ہے، ذہن بھی غافل نہ تھا۔ یہ شعر کہا ؎

ہو سخن کا جب اثر ظاہر تو روک اپنی زباں
شعلہ زن ہو جائے جب آتش تو پھر کیوں پھونکیئے

خیر یہ تو سخن کے متعلق تھا۔ عام سوشل حالت اس وقت نہایت نازک ہے، بالخصوص میری حدیں کچھ ایسی غیر معین ہیں کہ وہم کو انکی توسیع ہر طرف ہر فاصلے تک جائز ہے۔ یہ حالت سوہانِ روح ہے گرتا کے۔ جن واقعات پر یہ حالت مبنی ہے اُن کی تفصیل تو کی نہ

فرصت نہ طاقت نہ تحریر میں موقع۔

دل تو بہت چاہا کہ عید کے دن آپ یہاں ہوں۔ عشرت کہتے تھے کہ خواجہ صاحب کے عطیہ کی اچکن بناؤں گا۔ لیکن ورد سر رہا اور اسی تذبذب کے ساتھ عشرت کو خط بھی لکھا ہے۔ ابھی جواب نہیں آیا۔ میں نے لکھ دیا کہ یہ محض خیال ہے اور اگر اسی پر عمل کیا جائے تاہم مشتبہ ہے کہ آپ عید میں یہاں ہو سکیں۔ اور اب تو آپ کے خط سے معلوم ہی ہو گیا کہ آپ ہنوز بہت دور ہیں۔ بہر حال فضل خدا کا منتظر رہنا چاہیئے۔ ایک دفعہ یہ خیال آیا تھا کہ میں الہ آباد میں نہ ہوں، اور آپ تشریف لائیں اور اسی وجہ سے کہ میں موجود نہیں ہوں آپ گنگینج میں تشریف فرما ہوں اور اشتہار ہیں کہ آپ کی تشریف آوری کا اعلان ہو جائے۔ پھر آپ چلے جائیں جس سے ظاہر ہو کہ آپکی تشریف آوری خاص مجھ سے مکالمت و مجالست کے لیئے نہیں ہے بلکہ عام شغل ہدایت و ارشاد کے لیئے آپ کے سفر ہوا کرتے ہیں۔

آپ کی ذاتِ خاص کو چنداں تعلق نہیں ہے۔ میری آتش زبانیاں مبالغے کے ساتھ ذہن نشین ہو کر انکے قلوب میں وحشت انگیز ہیں۔ میری احتیاطیں اخلاقی کمزوری کے سبب سے نہیں ہیں بلکہ میرا یہ مصرعہ ہے۔ اور ہم نے دل میں یہ ٹھانی ہے: یا کچھ نہیں یا دل کی کہیں۔ خیر انکو بھی ہم معذور رکھتے ہیں ؎

جو میں کہتا ہوں میری شکل اطمینان جاتی ہے
وہ کہتے ہیں کہ سچ ہے یاں تو لیکن جان جاتی ہے

خیر صاحب کسی طرح جان کی امان ہو تو ہم کو اطمینان ہو۔ فراغ خاطر سے ملیں۔ مگر یہ خاتمہ بخیر ہو۔ لکھیئے کہ دہلی کب آیئگا۔ آیندہ ایڈریس کیا ہوگا۔

پیشاب کی شکایت زیادہ ہے۔ قبض بھی بہت ہے۔ معدہ ٹھیک نہیں۔ زندگی کی مشین چلی جاتی ہے، کبھی خطرہ ہوا تو تار دوں گا۔ الہ آباد۔ ۳ ، اگست ۱۹۱۵ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی دانشمندی حفظ مراتب، محبت وہمدردی کا شکر گزار ہوں
آپ نے خوب کیا مضمون رکوادیا۔ میں نے بھی لکھ بھیجا۔ اگرچہ دوسرے کی تحریر سے مجکو کیا
تعلق، مگر اسوقت اُس کا ذکر ہو ہی کیوں۔ ع

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

پر عمل چاہیئے۔ عارف صاحب نے نیک دلی سے قلم اُٹھایا، میں اُن کا مشتاق و ممنون ہوں۔
لیکن اُن کو کیا معلوم کہ میرا کیا پوزیشن ہے اور کیا حالات ہیں۔ کس قدر غلط فہمیاں، بدگمانیاں
دراندازیاں ہورہی ہیں۔ جب کبھی ہسٹری لکھی جائے اُس وقت یہ ریویو کیا جائے۔
اس وقت زیادہ تحسین کچھ نہیں تو رشک انگیز ہوسکتی ہے۔

تصوف اور بیخودی کے ذکر میں جو لذت ہے اُسی لذت کی گود میں میرا خیال پلا ہے
اور میرے نزدیک تو سارے معانی اُسی میں ہیں کوئی فلسفہ اس کے خلاف ہو تو ہم کو ہرگز اُس
سے دلچسپی نہیں ہوسکتی ہم تو اس کو صریح غلط سمجھیں گے، یا خود مبطع نفس بیخود مع اللہ میں
بھی مایوس ہوا، افسوس کیا، تعجب ہوا۔ لیکن سمجھا کہ اگر کسی کی بہتری ایسے ہی خیالات
میں ہو تو ہم کو کیا دخل۔ بس یہی کہدینا چاہیئے۔ ع

تو و طوبےٰ و ما و قامت یار

میں امید کرتا ہوں کہ مقصود اچھا ہے گو جوانانہ ہو۔ اظہار میں احتیاط نہیں کی گئی
غریب تصوف کا رعب ہی کیا تھا لیکن اُس نے کچھ بگاڑا بھی تو نہیں کتنے لوگ اس وقت
اُس کے دلدادہ ہیں اور وہ باخود بھی ہوں تو کیا کرلیں اور کیا دلیل ہے کہ باخود نہیں ہیں الفاظ
سے مزا لیا جاتا ہے، ترک کردیئے جائیں تو کیا نتیجہ؟

میں تو دنیا سے بے تعلق ہوگیا ہوں۔ سواد گور نظر میں ہے۔ اللہ کی مہربانی کا
طالب ہوں۔ دنیا کے دن اور ہم کر ہی کیا سکتے ہیں اور بے موقع بات کیوں کریں ؎

مرید پیر مغانم دگر نمی دانم   شراب بادۂ آنم دگر نمی دانم

اکبر، الہ آباد ۵ ستمبر ۱۹۱۵ء

جناب خواجہ صاحب! کئی دن سے آپ کا خط نہیں آیا، تردد ہے۔ اگر آپ کو خدا نخواستہ اُس مطلب میں کامیابی نہ ہو تو کچھ پروا نہ کیجئے گا۔ جس نے پیچ ڈالے ہیں وہی سلجھائیگا۔ میری آپ کی صورت ان ناموں کے ساتھ نہ بھی رہجائے۔ لیکن میرے آپکو معنی غالب آنے کے لیئے رہ جائیں گے۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۳ر اکتوبر ۱۹۱۵ء

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کئی دن گزرے آپکا خط نہیں آیا۔ آپکے پچھلے خط سے جس میں ذکر ناتوانی ومجبوری مضمون نگاری مندرج تھا جو تحریک دل میں پیدا ہوئی ہنوز موجود ہے اور رہیگی۔ اپنے انتشار کا حال کیا لکھوں، دعا کر رہا ہوں۔ آپ سے ملتا تو مدد ملتی، کچھ نہ ہی تو بار دل اُترتا۔ قیام الہ آباد بوجوہ چند جس میں زیادہ تر پرائیوٹ معاملات کی پیچیدگیاں شامل ہیں نامناسب پاتا ہوں لیکن کہاں جاؤں کہ آرام وامن سے رہ سکوں سوچا کرتا ہوں۔ ایسے وقت میں کہ بہت سے مضطرب لوگ آپ کے مرید ہونے اور سکون دلی حاصل کرنے کے مشتاق ہیں ان حوادث کا پیش آنا ظاہراً نہایت افسوسناک ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ بہ اعتبار نتیجہ نکالنے کے شئے فلک کو اس چال کی اجازت ملی ہے۔

گزشتہ ہفتہ میں عبدالماجد صاحب لکھنوی میرے مہمان تھے۔ ابدی صاحب بھی اُنسے ملنے آئے تھے۔ ابدی صاحب سے جب پوچھا گیا تو آپکی ذہانت کی تعریف کرتے تھے عبدالماجد صاحب بغیر استفسار سلسلہ تقریر میں آپکی اخلاقی حالت کے معتقد و مداح تھے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۳ر نومبر ۱۹۱۵ء

ہمت افزائے اکبر۔ اللہ تعالیٰ حریفوں کے نازسے آپکو مستغنی کر دے۔ آپ کا ساتھ اگر ہو تو مجھکو دنیا میں جو راحت ممکن ہے انشاء اللہ وہ مل جائے۔ دلی انتشار میں بہت کمی ہو جائے۔ دعا اس ڈر سے نہیں کرتا کہ شرک نہ متصور ہو۔ لہذا صرف اللہ ہی اللہ ہے۔

آپ کو مجھ سے تخصیص بھی ہے ہمدردی بھی۔ آپ کا مشن بھی ہے کہ طالب سکون کو پیار کیجئے اسکی خدمت کیجیے۔ آپ امین (ایسا ہی یقین کرتا ہوں) دیانت دار اور امین بھی ہیں۔ لہذا ہر طرح آپ پر اطمینان ہو سکتا ہے۔ درحقیقت دل کھنچتا ہے کہ وقت آخر آپ کے حوالے کروں دیکھیے خدا کو کیا منظور ہے۔ الحمد للہ آپ انگریزی داں نہیں ہیں۔ اسی سبب سے یہ خطرہ نہیں ہے کہ آپ کے ذہن کو ارتقا کا اثر بدل دیگا۔ الہ آباد ۳ ؍اکتوبر ۱۹۱۵ء

مکرمی زاد لطفہ! - خیال آیا کہ شاید میرے خط میں اس فقرے نے کہ میرے نام تحریر ہو آپکو متحیر کیا ہو۔ میں نے اس قیاس بعید پر لکھدیا کہ شاید کوئی ایسا مہربان آپکو ملجائے۔ لیکن اس فقرے کو واپس لیتا ہوں۔ میں خود موردِ بے مہری ہو رہا ہوں۔ آپ سے حالات کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بہت کچھ امور ہیں جو خلل انداز راحت ہیں۔ از انجملہ یہ کہ مقامی صاحب کی طرف سے اشارت صریح کی گئی کہ اُن حضرات کی مدارات نہ کرو۔ مقامی صاحب کے نام تحریر چاہیے۔ خدا کامیابی عطا فرمائے۔ مجکو تو سخت تنقص ہے۔ لیکن صبر کو ترجیح دی۔

حضرت اقبال کے خطوط آئے میں نے جواب بھی لکھے بشمنا آپ کا عقد ذی الحجہ میں ہونیوالا ہے۔ کون تاریخ قرار پائی ہے۔ شملے میں خوب پہل پہل ہوگی۔

سر علی امام صاحب سے ملیئے تو میری طرف سے آداب عرض کر دیجیے بصد شوق۔ ممتاز میں الہ آباد میں چند منٹ کے لئے اُن سے ملا تھا۔ بعض حکما کا خیال ہے کہ نیکی اور عقلمندی ایک ہی چیز ہے۔ سر علی امام صاحب کو دیکھکر اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ بہت شیریں نفس شخص ہیں۔ میرا تو یہی خیال ہے۔ آئندہ اللہ جانے۔ زمانہ مابعد معلوم نہیں کیا فتوے دے افلاطون بے وقوف بنے۔ حافظ شیرازی دہریے گنے گئے۔ تو ہم آپ کس گنتی میں رہیں۔

اکبر حسین الہ آباد ۳ ؍اکتوبر ۱۹۱۵ء

پیارے خواجہ صاحب! خدا کے حفظ و امان میں رہیے آپ کی مفارقت میرے لیے شدید مصیبت ہے جس کو ہر وقت محسوس کرتا ہوں، خدا کا خیال سامنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ تیری ہستی کیا اور کب تک اور اُن کی ہستی کیا اور کب تک۔ آخر میرے ہی پرتو کی مناسبت سے تو اُن کے لیے بےچینی ہے۔ بےچینی کم کر مجھ سے دل بہلا۔ میرے فضل کا منتظر رہ۔ بیگناہ اور پاک طبیعتوں کا آخر بھلا ہی بھلا ہے۔ بس اسی سے ذرا تسکین ہوتی ہے طبیعت نادرست۔ سردی کا موسم۔ دل افسردہ۔ پرائیوٹ بتے تکلیفیں سر پر۔ دنیا کی بدلی ہوئی آنکھ پیش نظر۔ محبوبان رفتہ کی تصویریں آنکھوں میں پھرتی ہوئی۔ مُردہ امیدوں کی زندگی کا زمانہ یاد۔ بس یہی باتیں ہیں کہ خط لکھنے سے روکتی ہیں۔ ایک کلیات مرتب کر لینا سہل ہے لیکن آپکو خط لکھنا مشکل ہے۔ آپ نے اپنی حالت لکھی ہے الحمد للہ۔ لیکن میں خود بہتر حالت میں نہیں ہوں۔ ادہام کا جوش میرے لئے ایک امر طبعی ہے۔ کوئی دل بڑھانے والا نہیں۔ بہر حال نیاز نامے لکھتا رہوں گا۔

پیاری جورباتو کو دعا۔ اللہ جلد ملائے۔

اقبال لکھتے ہیں کہ میں بھی مضمون لکھوں گا۔ نہایت افسوس کی بات ہے۔ زوال اقبال سے مجھکو بہت ہی ملال ہوا ہے۔ اس باب میں پھر لکھوں گا۔ میں اقبال کو لکھونگا کہ اگر ممکن ہو تو اپنی قابلیت کو کسی بہتر اور نتیجہ خیز کام میں صرف کریں۔

واحدی صاحب کو میں نے ایک مطلع لکھ بھیجا ہے :۔ ؎

سخن میں یوں تو بہت موقع تکلف ہو ۔۔۔ خودی خدا سے جھکے بس یہی تصوف ہو

آپکے جملہ خیالات سے مجکو ہمدردی ہے۔ آپ کو طریقت میں استقامت ہے ؎

حلقۂ پیرِ مغاں از ازلم در گوش است ۔۔۔ بر ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود

اکبر الہ آباد۔ یکم جنوری ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میرے بعض فقرات کا وہ مطلب سمجھا

جو میرے دل میں تھا۔ یا تو آپکی طبیعت امورِ عروسی کی طرف متوجہ تھی اور وہ مقناطیسی قوت اُس میں موجود نہ تھی جس پر مسئلہ القلب یہدی الی القلب مبنی ہے۔ اور جس نے آپ کو لطافتِ قلب میں ممتاز کیا ہے اور یا خود میری انشا کا قصور ہے۔ آپکو خط لکھنا اُس سے زیادہ مشکل ہے کہ ایک کلیات تیار کر لوں۔ اُس کے یہ معنی تھے اور میں کہ اس قدر سوز فراق اور جوش اشتیاق دل میں ہے کہ ایک کلیات بھی اُس کے لیئے کافی نہیں۔ اب آپ سمجھے یا نہیں؟ سمجھیئے اور بیچین ہو جیئے۔

اللہ عقد مُبارک کرے۔ نیک نتیجے نکلیں۔ زندگی ہے تو کبھی اس نئے گھر کا مہمان بنکر مہماں نوازیوں کا شکر گزار ہوں گا۔ میں قیاس کرتا ہوں کہ حور بانو کی خلیری بہن سے عقد ہوا۔ بے اختیار دل چاہتا ہے کہ آپکی خانقاہ میں رہکر اس سادہ زندگی اور یادِ الٰہی میں شریک ہو جاؤں آپ کو میرے ساتھ خاص محبت بھی ہے اور عموماً اس بات کا پورا سلیقہ ہے کہ اپنے نیازمندوں اور معتقدوں کے لیئے جب وہ بیمار و بیکس و درماندہ ہوں اپنے انتظام اور خدمت کو آغوشِ مادر بنا دیجئے۔ پھر لکھوں گا اس وقت اس تحریر پر بس کرتا ہوں۔

حور بانو اور اُن کی نئی ماں دونوں لڑکیوں کو دعا۔ اکبر حسین۔ الہ آباد ۵ جنوری ۱۹۱۲ء

مرے پیارے خواجہ صاحب! اللہ تعالیٰ آپ کو طریقت پر قائم رکھے سہ

حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است | بر ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود

حافظ ہی کی زبان میں دلی مدعا ادا کرنے میں مزا آتا ہے۔ حافظ صاحب نعت میں فرماتے ہیں سہ

نگارِ من کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت | بہ غمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

کون ایسا ہے جو آنکو عاشق رسول اللہ نہ سمجھے اور اس طرزِ ادا کا شیفتہ نہ ہو جائے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۷ جنوری ۱۹۱۲ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ اگر در حقیقت کلیات کی ضرورت ہو تو ارسال خدمت کروں، اور اگر صرف میری مدد کا خیال ہے اور کتابوں کے نکل جانے کا تو اگرچہ شکر گزار ہوں اور اس کی امید رکھونگا لیکن اس وقت یہ درخواست ملتوی ہے کیونکہ کتابیں نہایت کم رہ گئی ہیں شاید ۲ جلدیں باقی ہوں اور حصہ دوم تو ایک بھی نہیں رہا۔ زیر طبع ہے۔

حضرت اقبال نے میرے نزدیک تمہید میں احتیاط نہیں کی اور ایک بڑا مجموعہ دلوں کا مغموم و مایوس ہوگا۔ لیکن اب وہ سنبھل کر مسئلہ وحدت وجود اور مسئلہ رہبانیت پر گفتگو کرینگے۔ میں آپکو مناسب اور محفوظ جگہ میں نہ پاؤں گا اگر آپ قرآن مجید سے مسئلہ وحدت وجود کو ثابت کرنے کے لیے قلم اٹھائیں گے۔ علمائے شریعت نے غالباً فرمادیا ہے کہ یہ مسئلہ جزو اسلام نہیں ہے۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہمہ اوست کہنے سے پہلے "او" کو ثابت کرو پھر ہست کی توضیح کرو۔ یعنی ہستی کیا چیز ہے اور اوکسے کہتے ہو۔ ہمہ اوست تک پہنچنے ہی نہ پاؤ گے کہ ہوش اس شریف تشریف لے جائیں گے۔ حضرت اقبال ہی خودی کو بڑھا کر ہر سہ کہدیں مطلب حاصل ہے۔ شیخ سعدی صاحب کی نظم کیوں نہ پڑھ دیجیئے۔ بوستاں میں ڈھونڈھ لیجیئے ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد	جہاں سر بجیب عدم در کشد
رہِ عقل جز پیچ بر پیچ نیست	بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست

آپ کو عذر نہ ہو تو ہم کو عذر نہیں کہ یہ اشعار شائع ہوں۔ تقالت نہیں ہے ؎

حضرت اقبال اور خواجہ حسن	پہلوانی اُن میں ان میں بانکیں
جب نہیں ہے زور شاہی کیلیے	آؤ گتھ جائیں خدا ہی کے لئے
ورزشوں میں کچھ تکلف ہی سہی	ہاتھا پائی کو تصوف ہی سہی

ہست در ہر گوشۂ ویرانہ رقص
می کند دیوانہ با دیوانہ رقص
} اقبال

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء

مکرمی زاد لطفہ۔ وام مگس میں سرسری نظر سے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ پرچہ صوفی میرے پاس آتا ہے۔ آپ کا ریویو بھی دیکھ لیا۔ اقبال صاحب کی پروفیسری فارسی شاعری کیساتھ ملکر مغرب و مشرق دونوں کے لیے بھیانک ہوگئی ہے۔ اللہ اُن کے بیان کو زیادہ صاف کرے اور ہم پر اپنا فضل کرے اور صبر عطا فرمائے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

مسلمان تو وہ ہے جو ہے مسلماں علم باری میں
کروروں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری میں

والدۂ حمایت آپ کے ریمارک پر خوش ہوئیں۔

میں خود فکر میں ہوں کہ کم سے کم چند روز کے لیے حدود عشرت منزل سے نجات حاصل کروں۔ خدا ملائے تو حالات سنیئے گا۔ میں نے واحدی صاحب کو ۵ جلدیں بھیجدیں حور بانو اور نور بانو دونوں کو دعائیں۔

ع ازکلید دین در دنیا کشاد۔ اگر رسول اللہ کے رنگ میں لیاجائے تو لیسنس کی ضرورت ہے۔ اگر دین صرف حصول دنیا کا ذریعہ سمجھا جائے تو بیدینی ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کالج کے ذریعہ سے فکر معاش کی جائے جیساکہ خود مصنف نے کیا ہے اور سب کر رہے ہیں تو ٹھیک ہی لیکن کالج کو کلید دین کیوں کہا؟ بہرکیف اقبال سے زیادہ نہ لڑیئے۔ دعائے ترقی و درستی اقبال کیجیے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد ۲ر فروری ۱۹۱۶ء

مکرم مخلصاں زاد لطفہ۔ آپ کے دو خط اجمیر شریف سے آئے ایک کا جواب میں نے وہیں بھیجا۔ ایسے لوگوں کی زندگی غنیمت ہے جو میرا ذکر خیر کرتے ہیں۔ دل شکستہ ہوں صرف آخرت کا امیدوار ہوں۔ عبرت اور فنا کی باتیں پسند ہیں۔ تکلیفوں سے بچنا چاہتا ہوں عیش و نمود کا طلبگار نہیں ہوں۔ ایسا آدمی نئی اصطلاحوں اور عقائد کی رو سے دشمن ملک و قوم ہے ؎

نظروں سے گر گئے سب جو کل تھے پیر بھائی　　اندھیر کر رہے ہیں روشن ضمیر بھائی

دل تو چاہتا ہے کہ حضرت شاد سے ملوں۔ یہ فرمایئے کہ وہ دہلی میں کب تک تشریف رکھیں گے۔ آپ کے مہمانان عرس شریف کب رخصت ہونگے؟ حور کو دعا اور اُن کی بابی کو بھی۔

ہاں یہ تو فرمایئے آپ اجمیر شریف گئے تھے۔ تو حکام سے اجازت لینی ہوئی تھی یا نہیں؟ مہاراجہ صاحب کہاں مقیم ہونگے؟　　نیازمند۔ اکبر حسین۔ الہ آباد ۶ر فروری سنہ ۱۶ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ ارادوں کی کچھ نہ پوچھیئے، پورے ہو سکیں تو بات ہے۔ والدۂ حمایت حور کو دیکھنے اور زیارت درگاہ کی مشتاق ہیں۔ میں نے کہا کہ میرے ساتھ چلو۔ وہ تیار ہیں راجا میاں زیر رخصت ہیں کہہ گئے ہیں کہ چلیئے تو میں بھی چلا چلوں۔ اُن سے بھی وعدہ کر لیا ہے۔ ممکن تو ہے کہ آخر فروری میں قصد کر دں۔ شکایتیں بدستور۔ کلفتیں بدستور، خطرات بدستور، با ایں ہمہ ارادہ باقی ہے۔ دعا کیجیئے کہ پورا ہو سکے۔

ماجد میاں کے باب میں آپ کے خیال سے مجکو اتفاق ہے۔ ماجد کے اس کہنے پر کہ میں خدا کو نہیں جانتا اتنا غصہ نہیں آتا جتنا غیر ماجد کے اس کہنے پر غصہ آتا ہے کہ میں آپ سے زیادہ خدا کو جانتا ہوں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں خدا کو جانتا ہوں۔ لیکن مانتا نہیں اُدھر بھولا پن ہے اِدھر خیرہ سری۔ خیر صاحب ع

تو و طوبےٰ و ما و قامت یار

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

طالب دعا۔ اکبر۔ الہ آباد ۱۳ر فروری سنہ ۱۶ء

مکرمی۔ میں بے شمار کلفتوں، بدوقتوں، حسرتوں، پریشانیوں، خطروں وغیرہ وغیرہ میں ہوں آپکے خلوص محبت کا تصور کبھی کبھی معین دل ہو جاتا ہے۔　　اکبر۔ ۲۷ر فروری سنہ ۱۹۱۶ء

مکرمی! سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے شوقیہ خط سے دل خوش ہوا۔ آپ کو صرف شوق و محبت ہے۔ مجکو اُس کے علاوہ شدید ضرورت بھی ہے کہ بقیہ انفاس زندگی کسی ہمدرد و ہم رنگ محب کے پاس گزریں اور ایسا آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ لیکن عجب پیچ پڑ گئے ہیں۔ کچھ واقعی زیادہ تر وہمی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کی نگرانی کے ساتھ مہمان کی نگرانی بھی ہوگی اور مہمان کیسا کہ برائے خود محلِ نظر۔

دوسرے یہ بات ہے کہ ۱۱ر مارچ کو لکھنؤ میں چیف سکرٹری صاحب سے ایک لٹریری امر کے متعلق ملنے کا وعدہ ہو گیا ہے۔ ۹ ہی دن باقی ہیں۔ کیوں نہ اسی مرحلے کو طے کرکے آگے بڑھوں۔ ارادہ تو یہ ہوتا ہے کہ مئی، جون، جولائی ڈیرہ دون میں بسر کروں یا ایسی جگہ جہاں لُو سے حفاظت ہو۔ بہرحال زندگی ہے تو دو چار دن میں لکھنؤ پہنچونگا۔ پھر دہلی کا قصد کروں گا۔ وسطِ اپریل تک موسم کو اعتدال رہے گا۔ اپنے حالات و خیالات کیا لکھوں ملاقات ہوئی تو کہوں گا۔ جواب جلد بھیجیے۔

ندھا[1] نے ایک سٹ چوڑیوں کا اپنی پیرانی صاحبہ کے لیے مجکو دیا ہے۔ ۲۰ دن ہو چکے ہنوز روانہ نہ کر سکا۔ ممکن ہے کہ ساتھ لاؤں۔ اکبر۔ الٰہ آباد ۲ر مارچ ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ہرگاہ یوپی آپ کے لیے محذوش قرار پائی تو آپ مجھ سے کیوں اجازت طلب کرتے ہیں۔ میں حکومت کے خلاف کیوں ہونے لگا۔ مگر اس کا معتقد نہیں ہوں کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ بیمار ہوں، خانہ نشین ہوں۔ ایک خیال آیا کہ کلکٹر سے پوچھوں لیکن کچھ ذہن میں آیا کہ اچھے ہو جاؤ تو کیوں نہ حاذق الملک سے استعلاج کے لیے دہلی کا سفر کرو۔ دو ہی چار دن ہیں اسی ضمن میں آپ سے ملاقات ہو جائیگی۔ کچھ تو بار دل اتر جائیگا۔ بہت سی ضروری باتیں تصوف کے متعلق ہونگی۔ ایک یورپین عالم نے ایک لاجواب کتاب اس کے متعلق حال میں تصنیف کی ہے وہ میرے ہاتھ میں ہے۔ عشرت سے ملی ہے،

[1] حضرت کی خادمہ کا نام ہے

واحدی صاحب، نیاز صاحب، عارف صاحب سے بھی ملنے اور باتیں کرنے کا نہایت مشتاق ہوں اور آپ سے ملنے کا اشتیاق کیا دعا کرتا ہوں کہ ایسا اطمینان ہو کہ بالکل آپکے چارج میں ہوجاؤں، لیکن اِرَادَۃُ اللّٰہِ غَالِبٌ عَلٰی اِرَادَۃِ النَّاس چھوٹا پاندان کٹاؤ کے کام کا بنارسی تحفہ ہے حور بانو نے پسند کیا ہوگا۔ سب کو دعا سلام

دست موقوف ہوگئے مگر نزلے کا اثر ہنوز بدن پر ہے معمولی غذا شروع نہیں ہوئی لیکن روز افزوں افاقہ محسوس ہے۔ ابنائے زمانہ پر طعن کے طریق سے ایک شعر کہا تھا کہ ؎

بقیہ ریش نوچوں شیخ کی بس یہ ارادہ ہے
سبب یہ ہے کہ طاقت کم ہے اور فرصت زیادہ ہے

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۱۶ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اپنی طبیعت کو دیکھ رہا ہوں۔ آج چار بجے صبح سے ۸ بجے تک سخت درد سر رہا لیکن بعد اس کے طبیعت صاف ہوگئی۔ شدید نزلے نے دماغ کو کمزور کر دیا ہے، اُمید ہے کہ دو ایک دن میں اطمینان حاصل ہو بے اختیار دل چاہتا ہے کہ یارانِ طریقت کو دیکھوں۔ دیکھیے اللہ کیا کرتا ہے۔ بعید نہیں کہ کسی دن بلا اطلاع السلام علیکم کی ٹھہرے۔

۲۳ ر مارچ یعنی آج کے زمیندار میں مشیر حسین صاحب بیرسٹر کا مضمون بتائید حضرت حافظ نظر آیا۔ مشیر حسین صاحب ہم سے زیادہ قدر شناس حافظ علیہ الرحمۃ نکلے۔ اُن کی واقفیت زیادہ نکلی۔ آپ بہت خوش ہونگے۔

خاکسار اکبر۔ ۲۳ ر مارچ ۱۹۱۶ء

جناب من! میرا خیال ہے کہ آنریبل آر برن صاحب چیف سکرٹری ہز آنر یو پی سے

بھی ملیے، اپنے دوست نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب سے مدد لیجیے۔ سفارشی چٹھی لیجیے، حکیم برہم صاحب ایڈیٹر مشرق سے ملاقات ہو تو اُن سے استمداد کیجیے، ان سے برن صاحب سے ملاقات ہے۔ مجھکو خود بہت افسوس ہے بلکہ آپ پر غصہ ہے کہ آپ نے وہ مضامین[1] کیوں لکھے۔ بہر کیف کوشش صفائی جائز ہے۔ میں تو ماندہ و درماندہ ہوں۔ لیکن خیال کر رہا ہوں آپکی بہتری کا۔ ابھی تو ہنر آنر لکھنؤ میں ہوں گے ۱۵ تک شاید رہیں، لکھنؤ قیام کیجیے اور صبر و عقل کے ساتھ کوشش کیجیے۔ خاکسار اکبر۔ الہ آباد۔ یکم اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

پیارے خواجہ صاحب! اللہ آپ کا حامی رہے۔ آج سینہ و دماغ کو کسی قدر صاف پا کر ہمت باندھی، سلیمان، عبد اللہ، ندھا اور اسباب کو لیکر اسٹیشن پر پہنچا، پونے پانچ بجے شام کو گاڑی ۵ بجکر ۱۲ منٹ پر آتی ہے، پلیٹ فارم پر بیٹھا تھا کہ طبیعت میں جو پہلے ہی سے مضمحل تھی تغیر پیدا ہوا، گرمی بھی قیامت تھی، سارا بدن بے قابو ہو گیا، مجبوری واپس آیا اور یہ کارڈ آپ کو لکھ رہا ہوں۔ سنہ ۱۴ء میں میں ۲۰، اپریل کو روانہ ہوا تھا۔ اس سال یا تو گرمی زیادہ ہے یا میں ناتوان زیادہ ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ واقعات اور قیود خلاف طبع نے دل کو بہت کمزور کر دیا۔ اللہ کی مرضی بھی ایک چیز ہے۔ ایک چیز کیا سب کچھ وہی ہے، دیکھیے میں ٹھیک وقت یعنی ۹، مارچ کو اٹھا تھا، اگر لکھنؤ میں بیمار نہ ہو جاتا تو آگے بڑھتا۔ اس وقت اسٹیشن جاکر واپس آیا، بر سر وقت ہیجان مادہ کا آ گیا، ہمارا مادہ ناتوانی اور خفقان ہے۔ اسی کو

---

[1] ہنگامہ کانپور کے دن حسن نظامی حضرت سے رخصت ہو کر الہ آباد سے میرٹھ گیا۔ راستہ میں کانپور ٹھہر گیا حکام کو شبہ ہوا، اکبر بھی اس سازش میں شریک تھے، ان کو پریشان کیا گیا۔ اس کے بعد حسن نظامی نے اخبار توحید میں سخت مضامین لکھے، انکی صفائی کے لیے حضرت آخر تک تاکید فرماتے رہے۔ اپنے حال سے زیادہ میرا فکر انکو تھا، میں نے تعمیل کی مگر حکام راضی نہ ہوتے، یہانتک کہ وہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ ح حسن نظامی،

ہیجان ہے۔ اب دیکھیے کیا کرسکتا ہوں، سکت ہوئی تو حاضر ہوں گا۔ آپ سے ملنے کا بیحد متمنی ہوں لیکن نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت آپ کو تکلیف کرنے کی مشورت دوں۔ یہیں وہاں آتا تو حاذق الملک بہادر سے مشورت کرتا۔ وہی ایڈریس بھی قرار دیا تھا۔ بہرحال مطمئن رہیے، دل ملے ہیں تو آنکھیں بھی ملیں گی۔ آپ کا خط پہنچا۔ امید کہ حور بانو اب اچھی ہوں۔ میں نے غلطی کی کہ سردی سے بچا۔ گرمی تو اس سے زیادہ مانع سفر ہے۔ بہرحال اب نہ آسکا تو اکتوبر میں، اگر زندہ رہا۔

آپ نے میری مدح اپنی تصنیف میں کی ہے شکرگزار ہوں، انتخاب پر کچھ اعتراض نہیں لیکن دیگر خطوط کو کاش دیکھ لیتا۔ پھر خط لکھوں گا۔ اکبر حسین۔ الہ آباد ۲۰ مارچ ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کل جو حالت پیش آئی اور بعد اُس کے جو احساس ہوا اُس سے معلوم ہوا کہ ہنوز وہ بیماری جو لکھنؤ میں لاحق ہوئی تھی دفع نہیں ہوئی۔ میں نے قیاس کرلیا تھا کہ اچھا ہوگیا۔ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ اگرچہ انحطاط کے دن ہیں، ضعف روز افزوں ہے لیکن امید ہے کہ بشرطِ زندگی اس موجودہ نادرستی طبع کے رفع ہونے کے بعد کچھ بہتر حالت ہوجائیگی۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اوروں کا مہمان ہونے کی قابلیت مجھ میں نہیں ہے۔ ایک مکان ہو جسکو جاڑوں میں گرم اور گرمیوں میں سرد رکھ سکوں، صاف ہو ہوادار ہو، آسمان نظر آتا ہو، خود اپنا انتظام ہو، کھانے میں نہ میں انتظار کھینچوں نہ کوئی میرا انتظار کرے۔

حالت تو یہ ہے کہ مرنے کا اندیشہ ہو تو لوگ گھر کو یاد کرتے ہیں اور میں گھر سے علیحدگی چاہتا ہوں۔ اللہ جلد صورت اطمینان پیدا کرے۔ اکبر حسین۔ الہ آباد ۲۹ مارچ ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میرا خط آپ پہنچا ہوگا۔ کنہیا لعل صاحب کے حالات سنکر خوش ہوا۔ ممکن ہے کہ آپکے کچھ کام آئیں۔ صبر کو غم و مرکا علاج سمجھنا آپ نے خوب کہا ہے

رنج آسمان میں ہے نہ راحت زمیں میں ہے
اپنے ہی جس کا جوش ہو سب کچھ ہمیں میں ہے

یہ شعر اُس انگریزی کتاب تصوف کے مطالعہ کا نتیجہ ہے جس کا ذکر میں آپ کو لکھ چکا ہوں اللہ عاقبت بخیر کرے۔

افسوس ہے کہ میری ناتوانی سدِّ راہ ہے ورنہ میں بھی اجمیر شریف کا قصد کرتا۔ یہاں دم گھبراتا ہے۔ ارباب طریقت کی مفارقت کا صدمہ۔ پھر اقربا کی عقرب طینتی کا الم۔ چاہا تھا کہ ترک وطن کروں۔ اُٹھا بھی وقت مناسب پر لیکن اللہ کی مرضی نہ تھی۔ زندگی باقی ہے اور حالات نے نامساعدت نہ کی تو آخر ستمبر میں انشاء اللہ یہ ارادہ زندہ ہوگا۔ آپ کو رفیق نہ بنا سکنے کا ہر وقت غم رہتا ہے۔ واقعات کی پیچیدگی اور بانکپن کو عبرت کی نظر سے بھی دیکھتا ہوں۔ امید کی نظر سے بھی، اوب کیسا تھ یہ خیال کرتا ہوں کہ میں خدا کے لیے ہوں، خدا میرے لیئے نہیں ہے۔ اکبر الہ آباد ۔ ۲۸ ر اپریل سنہ ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ آپ کا کارڈ بہت ہی مختصر تھا۔ الحمد للہ کہ یہ دریافت خیریت اطمینان ہوا۔ گرمی سے بیحواس ہوں اور آپ کی مفارقت سے بے جان سہی جان نہیں بے چین۔ اس وقت تو موسم بھی سدِّ راہ ہے۔ زندگی ہے تو ملنا ہوگا۔ انشاء اللہ گھر میں دعائیں۔ یہاں سارا گھر سارا احاطہ آپ کا مشتاق اور خیر طلب رہتا ہے۔ پھر مفصل خط لکھوں گا۔ خاکسار اکبر الہ آباد ۔ ۱۴ر مئی سنہ ۱۹۱۶ء

محب اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس شدت گرمی میں حیدر آباد کا سفر، معاذ اللہ، میرا تو دل دھڑکتا ہے۔ اللہ آپ کو مع الخیر واپس لائے، میں نے بھی ہزآنر سے آپ کی تقریب کی کچھ تدبیریں کی ہیں اور کرتا رہتا ہوں۔ لیکن اکتوبر نومبر کا وقت مناسب و ممکن سمجھا گیا ہے۔

میں خود کافی ہوتا۔ لیکن تردامنی کی جرأت کتنی اور گوشۂ عزلت سے نکلنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ بہر کیف اللہ کا فضل چاہیئے۔ آپ ایک اعتبار سے بلبل دیکھتا ہیں۔ فطرت آپ کے حالات زندگی کے ساتھ بے تکلفانہ کھیلا کرے۔ آپکے دل کیساتھ خدا ہے۔ ع

بر ہمانیم کہ بودیم وہماں خواہد بود

آپ کی نیک خیالی رائگاں نہ جائیگی، انشاء اللہ سہ

کسیکہ محرم باد صباست میداند

کہ باوجودِ خزاں بوئے یاسمن باقی ست

میں خود ہنگامۂ مصائب میں مبتلا ہوں۔ کیا حالت اس زخمی کی ہوگی جس کے زخم مہلک ہیں اور ہنوز کچھ قوتِ رفتار باقی ہے، وہ گوشۂ عافیت ڈھونڈھ رہا ہے کہ مرنے کے لیئے بستر لگائے، لیکن گوشہ نہیں ملتا اور قوتِ رفتار جواب دیتی جاتی ہے سہ

مطالب ہیں بہت وقت دعا کچھ کہہ نہیں سکتا
الٰہی فضل کر اس کے سوا کچھ کہہ نہیں سکتا

خدا آپ سے جلد ملائے، یوں تو کسی موسم میں زندگی کا اعتبار نہیں۔ لیکن میرے لئے الہ آباد میں جون کا مہینہ زندگی کے لیئے بالخصوص غیر معتبر ہے۔ حور بانو اور خواجہ بانو (خوب نام تجویز ہوا لائق صلہ) دونوں کو دعائیں۔ سب کو سلام۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۸ رمئی ۱۹۱۶ء

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ نے کبھی مراقبہ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں ہر شعر مراقبے کے بعد کہتا ہوں۔ یہ تو لطیفہ تھا لیکن عموماً یہی ہے کہ قافیہ پیمائی کے عوض زیادہ تر میری زبان بیان احساس میں مشغول رہتی ہے۔ لیکن یہ مصرعہ جو آپ کو پسند آیا اپنے ہی حس کا جوش ہے "سب کچھ ہمیں میں ہے"، سچی بات یہ ہے

کہ میرا ابتدائی احساس نہیں تھا۔ یہ درحقیقت اس کتاب انگریزی کے ایک باب کا بلکہ کل کا خلاصہ ہے جس کا ذکر میں نے آپ کو لکھا تھا۔ جس کو حال میں ایک یورپین عالم نے تصنیف کیا ہے اور عشرت سلمہ کے ذریعہ سے مجکو ملی۔ میرے اور احباب بھی اس کتاب کے مشتاق ہو گئے ہیں ازانجملہ منشی رضا حسین خاں صاحب، اور مہاراجہ صاحب دکن یہ دونوں صاحب آپ کے بھی دوست اور طالب ہیں۔ یہ کتاب انگلستان سے ملے گی۔

آپ نے اشعار کی داد دی ہے جس سے قلب کو انبساط ہوا۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزرا کہ داغ دل کی چمک کو جس کی روشنی میں مصیبت کی لذت ملتی تھی، اور آخرت کا شوق دل کو ابھارتا تھا، مکروہات اور ترددات اور افسردگی کے ابر نے گل تو نہیں مگر بہت کچھ چھپا رکھا ہے۔ اللہ جلد اس حالت قبض کو بسط سے مبدل فرمایئے۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ انا للہ۔ ہم اللہ کے لیئے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ ہمارے لیئے نہیں ہے۔ بڑی نازک اور طویل بحث ہے۔ لیکن دل کو سمجھانے کے لیئے کافی ہے۔

راہ میں دن کیونکر کٹے گا۔ اپریل میں خس کی ٹٹیوں کا انتظام نہیں رہا۔ اسی سبب سے دیرہ دون نہیں جا سکتا۔ یکم جولائی کو زندہ رہا تو آخر اپریل ۱۹۱۷ء تک شاید پھر کسی قدر غفلت ہو جائے اور یہ امید زندگی سفر کی ہمت بندھے ~

اجل آ پہنچی قبل اسکے کہ سمجھیں راز ہستی کا بگاڑا موت نے اور یہ نہیں سمجھے بنے کیوں تھے

اس وقت آفتاب نے بلند ہو کر حواس کو زیر و زبر کر دیا انشاءاللہ کبھی کچھ اشعار بھیجونگا حور کو دعا۔ خواجہ بانو کو دعا۔ ابن عربی کو دعا، بھائی سلوٹیا صاحب اور ہمارے شاد صاحب کو سلام۔ ماماں جی کو یاد جب۔

پتہ معلوم رہیگا تو خط لکھتا رہوں گا۔ آپ کو فطرت نے وہ ذوق سلیم عطا فرمایا ہے۔ ا۔ ا۔

اظہار احساس کا وہ بانکا طرز ہے کہ آپ سے مراسلت کرنے میں کاہلی اور افسردگی کی بھی کچھ کسرِ شان نہیں ہوتی۔ ایک شعر بیاض میں نظر آیا یاد نہیں کس عالم میں زبان پر نکل گیا تھا ؎

ہے بدگمان جو وہ بت پروا نہیں کچھ اسکی
ہر برہمن ہے شیدا اکبر کی کافری کا

خاکسار اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۵ مئی ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے پہنچ گئے ہوں "پا بہ رکاب ہوں" کیا پیارا محاورہ ہے۔ ابھی گھوڑے پر سوار ہونگے، باگ اپنے ہاتھ میں ہوگی لیکن اب تو شاید "تحت بدست ہوں" زیادہ صحیح ہو۔

ابھی آپ کو خواب میں مدت کے بعد دیکھا۔ خوشحال اور اعلیٰ اوصاف درویشی کے ساتھ، اللہ ہم سب کی عاقبت بخیر کرے۔ اکبر۔ ۲ جون ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ راہ کی بات ہے، وہاں کا کیا پوچھنا، ایک جھونکا سموم کا، شیخ جواس کو گل کرنے کو کافی ہے اور میرے حواس کی بساط ہی کیا ہے، ابھی بادیان گلاب آلو شجار اپنکرہ بیٹھا ہوں، تھوڑی دیر میں گھرا ہو گا اور تنی اور شکیے کی بے اثری کا رونا بھی ہے مگر تلک اور اس کے اثر سے احتراز اولیٰ۔ کل دوپہر کو میں نے چند شعر کہے، کہے کیا بے اختیار ذہن میں داخل ہو کر زبان پر آ گئے ؎

صبح کو کہتا ہوں دیکھوں کس طرح کٹتا ہے دن — شام اُسے ایسا بھلا دیتی ہے گویا کچھ نہ تھا
عمر یونہی کٹ گئی آخر ہوا معلوم یہ — عرصۂ ہستی بجز امروز و فردا کچھ نہ تھا

ایک مطلع اور ملاحظہ فرمائیے ؎

دامنِ گل پھیلکر اس باغ سے کیا لیگئے ہوگئے نذرِ خزاں اور داغِ حسرت دیگئے؟

کل ایک خط لکھ چکا ہوں۔ مہاراجہ صاحب کے حضور میں تسلیم۔ آپ اچھی فصل میں پہنچے ہیں۔ مرغوبہ یا ملغوبے کے دن ہیں۔ آپ کے یاد کرنے والے سلام شوق عرض کرتے ہیں۔ عقیل ابن عشرت کے لیئے ایک تعویذ بھیجدیجئے اسکو سخت کھانسی آئی ہے۔ دلی کب واپسی کا قصد ہے:

خاکسار اکبر۔ الہ آباد۔ ۵ جون ۱۹۱۶ء

بھاگوت گیتا کے اٹھارہ آدھیاؤں کا اُردو ترجمہ نظم میں ہوا ہے۔ پنڈت دینا ناتھ صاحب مدن مجبز دہلوی بی۔ اے۔ اکونٹنٹ محکمہ تعمیرات پنجاب مصنف ہیں۔ رسالہ کا نام مخزنِ اسرار ہے۔ حال میں چھپا ہے۔ رام نراین پریس متھرا۔ قیمت ۳ر

ڈاکٹر اقبال صاحب نے اسرارِ خودی میں سری کرشن جی مہاراج کو قابلِ تعریف ادب کے ساتھ یاد کیا ہے اور اُن کی تعلیم کو برقرار رکھا ہے۔

مخزنِ اسرار کے مصنف نے بندگانِ خدا پر احسان کیا ہے کہ چند اہم مضامین گیتا کا ترجمہ کر دیا ہے۔ مگر ترجمہ نظم میں ہے۔ معانی کا انکشاف اچھی طرح نہیں ہوتا یعنی عوام کے لیئے۔ کیا آپ یا آپ کے دوستوں میں سے کوئی صاحب اُس کی تشریح صاف اُردو نثر میں کر دیں گے۔ ارجن پوچھتا ہے ؎

علمِ توحید و احد ذات و صفات و جسم و جاں ان منازل کا نشاں بتلایئے اے مہرباں

شری بھگوان صاحب جواب دیتے ہیں ۴۴ ۴۵ ۴۶ مخزنِ اسرار میں یہ مضمون بالیقین نے اہم مضامین اس لیئے کہا کہ ایک پہلو اہمیت کا یہی ہے کہ بنی آدم کا ایک بڑا اور بااثر گروہ اس کو صحیح سمجھتا ہے اسکو مستند قرار دیتا ہے۔ مذہب کی اہمیت شاید زیادہ تر اسی بنا پر ہے:

خاکسار اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۱۶ء

پیارے خواجہ صاحب! خدا کے حفظ و امان میں رہیئے۔ عادتاً الہ آباد لکھہ گیا حالانکہ ۲۹ جولائی کی شام سے پرتاپ گڈھ میں ہوں، عشرتی کے اہل و عیال یہیں ہیں۔ رئیس ہین نے لکھا تھا کہ آیئے۔ میں الہ آباد سے یونہی دل برداشتہ تھا، چلا آیا ہوں۔ دو چار دن میں اور کہیں چلا جاؤں گا جہاں خدا لے جائے۔ واپس الہ آباد کا قصد نہیں ہے۔ طبیعت صحیح نہیں قریباً ہر وقت ایک شکایت لاحق رہتی ہے ان میں سے بعض تکلیف دہ ہوتی ہے۔ دیکھیے اللہ کو کیا منظور ہے۔ سلیمان ساتھ ہے اور ایک آدمی اور سلیمان آپ کا مرید ہے پورا انصاری ہے۔ میرا ہمدرد ہے بہت خدمت کرتا ہے۔ کسی قدر اطمینان ہے خدا آپ تک پہنچا دے تو خوب ہے مگر نہ سہی آپ کی نگرانی اور انتظام ہی سہی۔ میری دونوں بہنوں کو بیحد افسردگی ہے کہ میں الہ آباد چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا لیکن کیا کہوں حالات ہی ایسے پیش آگئے ہیں کہ مجکو وحشت ہوتی ہے۔ عشرت جونپور میں ہیں ہفتے عشرے میں پرتاب گڈھ چلے جائیں گے وہیں کی تبدیلی ہوئی۔ پرتاب گڈھ الہ آباد سے بہت قریب صرف دو گھنٹے کی راہ ہے۔ پرتاب گڈھ ہمارے سمدھی صاحب کا علاقہ ہے خدا انجام بخیر کرے گورنمنٹ نے نواب صاحب کی خواہش پر وہاں تبدیل کر دیا ہے۔ عشرت کی باطنی آرزو ہے کہ نظامیہ انتظام میں ان کا گھر نشو و نما پائے مگر میں کچھ کہہ بھی تو سکوں میری عمر میں بہ استثنار ایک سال کے جب شاید میں ۱۷ ۔ ۱۸ سال کا تھا اور دو ایک اور موقعوں کے جب میں بجنور میں تھا۔

یہ پہلا وقت ہے کہ عید الہ آباد میں نہیں ہوئی۔ اصل یہ ہے کہ عید ہی نہیں ہوئی۔ یہاں چہار شنبہ کو عید ہوگی۔

کیا عجب ہے کہ یہاں سے لکھنؤ جاؤں۔ بعد چندے بشرط زندگی دہلی کا قصد کروں خطیب میں آپکا مضمون دیکھکر کہ مشہور نہ ہونا گویا آزادی ہے یہ خط آپ کو لکھنے لگا۔ آپ نے خوب لکھا ہے۔ صحیح لکھا ہے۔ میں آپکو بہت ہی دوست رکھتا ہوں۔ سب کچھ

نیچرل اور روحانی اتحاد ہے۔ میں نے حال ہی میں ایک غزل کہی ہے۔ دو شعر یہ ہیں ؎

صورتِ فانی سے آخر کیوں یہ پہچانے گئے   مجکو حیرت ہے کہ یہ بت کیوں خدا مانے گئے

اک زمانے میں یہ خواہش تھی کہ جانیں ہمکو لوگ   اب یہ رونا ہے کہ ہم کیوں اسقدر جانے گئے

آپ کا مضمون "غم نہ کرو" بھی لائقِ غور ہے۔ اگر خوشی و غم اختیاری ہیں تو بے شبہ غم نہ کرنا چاہیئے میں تو یہیں تک ترقی کر سکا ہوں (وہ بھی پوری ترقی نہیں) کہ غم میں خوش رہوں اور اسکو اپنے حق میں مفید سمجھوں۔ آپ کا بھی اصلی مقصود یہی ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ سر پر پتھر گرے تو چوٹ نہ لگنے دو۔ یہی مطلب ہوگا کہ خوشی سے ہائے ہائے کرو۔ یہ ٹھیک۔ مصیبت میں دل لگی پیدا ہو جائے۔

کیا بتاؤں آپ کا معاشر ہونا یا آپکو اپنا معاشر بنانا اسوقت بلحاظِ حالات مشکل ہو گیا۔ ورنہ مجکو دلی راحت ملتی۔ واحدی صاحب کو سلام شوق۔ حور بانو خواجہ بانو دونوں کو دعائیں۔ زندگی ہے تو اُن کی مُراد پوری ہوگی۔ ہمارے نواب صاحب یعنی سمدھی صاحب کے چھوٹے بھائی علی حسین خاں صاحب آپ کو بہت پوچھا کرتے ہیں۔ آپ کے بڑے معتقد ہیں۔ میرا ایک نیا مطلع ہے۔ کچھ واقعہ کچھ ظرافت ؎

قید میں زیست کی بنیاد ملی جاتی ہے

پھر بھی ہے شکر کہ روٹی تو ملی جاتی ہے

نیاز مند۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ یکم اگست ۱۹۱۶ء

خواجہ صاحب! آپ نے الہ آباد کا ارادہ ترک کر دیا، اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے دل میں یہ بات ڈال دو۔ نامقبول بندہ نہیں ہے، صرف زیرِ امتحان ہے۔ بات یہ ہے کہ اس قدر اسباب دل برداشتگی یکجا ہو گئے کہ میں نے الہ آباد چھوڑ دیا جسوقت آپ کارڈ لکھ رہے تھے میں بریلواں میں تھا اور علیل تھا۔ اب تک یہیں ہوں۔ شاید کوئی خط بھی آپ کو

لکھا ہے۔ یہ پہلی عید تھی کہ بستر سے اٹھا ہی نہیں۔ سہ پہر کو چند لقمے مونگ کی کھچڑی کے کھائے رات کو پھر فاقہ۔ آج صبح کو پھر کھچڑی کھائی۔ اسوقت سہ پہر کو ذرا حواس درست ہیں۔ اب دیکھیے کیسی گزرتی ہے۔ ارادہ ہے کہ یہاں سے لکھنؤ جاؤں۔ وہاں سے دہلی آؤں۔ دہلی سے تو آپ ہی مقصود ہیں اور دلی تسکین کیلئے رین بسیرا ہی ہے۔ سمجھا تھا کہ مناسب ہوگا کہ ابتدائے قیام کہیں اور ہو۔ اب مجھکو زندگی میں کچھ نشاط نہیں۔ آپ ایسے دوست کے پاس رہا چاہتا ہوں کہ روح کو بوئے موانست آتی ہے، اور آپ سے پوری ہمدردی اور خدمتوں کی امید ہے خیر جب وہاں ہونگا تو دیکھا جائیگا۔ حکیم صاحب نے لکھا تھا کہ نومبر میں آئیے۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ خط الہ آباد کے پتے سے آئے۔ آج میں نے نیدھا کو بھی بلوایا ہے کہ ساتھ ہو۔ آپ کے گھر کی سچی محبت کی کچھ کشش بھی ہے کہ مرا دل بے اختیار اسی طرف مائل ہے۔

وہ اشعار کیا ہیں زبردستی کا سودا ہے ملیئے گا تو سنیئے گا۔ لیکن دل اشعار کہنے کو بھی نہیں چاہتا بہت کہہ چکا۔ رین بسیرے کی قمریاں ہوں اور ہم ہوں ؎

اکبر حسین۔ پریاواں۔ ۴ر اگست ۱۹۱۶ء

مکرمی زاد لطفہا۔ دو بجے رات سے ایسا شدید درد سر لاحق ہوا کہ چھ بجے صبح تک بیٹھا رہا۔ ساڑھے سات بجے ہیں۔ ابھی نماز و قرآن پڑھ چکا ہوں۔

دن رات کی مسلسل نامہ رسی اور تکلیف عجب تماشا ہے۔ میزبانوں کے ہاتھوں بکر کھانے کا اچھا انتظام نہیں ہو سکتا۔ نیدھا ساتھ ہیں لیکن وہ خود مہمان ہیں۔ یہاں سے نجات پاکر اپنا منتظم خود ہوں تو کچھ عافیت ہو۔ کچھ اس لیئے کہ اس موسم کو اور اپنی ناتوانی کو نیا کروں۔ عشرت میاں آپکے خط سے خوش ہوئے۔ ان کو میری راحت کا ضرور خیال ہے۔ لیکن اسباب ایسے جمع ہیں کہ میں عشرت منزل میں نہیں رہنا چاہتا کم سے کم ۵ - ۶ مہینے تک اسی سبب سے ارادہ ہے کہ لکھنؤ یا دہلی میں رہوں اور جہاں تک ممکن ہے اپنے خیر طلب

خادموں کو جمع کروں۔ لیکن ایک مکان کی ضرورت ہوگی کہ یہ انتظام خود رہ سکوں۔ دہلی میں ایک گھر سے تو رشتہ داری کا تعلق ہے۔ ان روزوں معلوم نہیں وہ لوگ کس محلے میں ہیں۔ خط لکھا ہے جواب نہیں آیا۔ دوسرے آپ ہیں آپ سے روحانی موانست ہے اور یہ میرے لیئے فوزِ عظیم ہے۔ لیکن کچھ نہیں معلوم کہ آپ کی معیت کا انتظام کب باطمینان ہو سکتا ہے۔

میں بہت خوش ہوا کہ ڈاکٹر اقبال صاحب نے آپ سے ملنے کا شوق ظاہر کیا میں نے اُن کا خط دیکھکر آپ کو مخاطب کر کے چند شعر کہے ؎

اے خواجہ حسن کرو نہ اقبال کو رد — قومی رکنوں کے ہیں نگہباں وہ بھی

تم محو ہو حسن کی تجلی میں اگر — ہیں دشمن فتنۂ رقیباں وہ بھی

پریوں کے لیے جنوں ہی تمکو اگر — دیووں کے لیئے ہے سلیماں وہ بھی

عشرت میاں نے پسند کیا اور کہا کہ خواجہ صاحب کو لکھ دیجئے۔ کہتے تھے کہ دو چار شعر اور کہیئے؛

خاکسار اکبر۔ پریاداں۔ ۹ر اگست ۱۹۱۶ء

مکرمی! میں آج دوپہر کو یہاں پہنچا ؎

امین آباد میں کھولی کمر لیکن زباں چپ ہے

سفر کا بار دوش اترا ہے بار دل نہیں اُترا

یہ تو آپ تک پہنچکر البتہ ممکن ہے۔ ہنوز اوقات معمولی پر غذا نہیں ہوتی؛

اکبر حسین۔ لکھنو۔ امین آباد پارک نمبر ۲۴۔ ۱۰ر اگست ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپکا بہت ضروری خط جسمیں شیخ وحید الدین صاحب پیا عترافض ہونے کا حال لکھا تھا۔ مجکو کل ملا۔ پریاداں سے الہ آباد چلا گیا تھا وہاں سے واپس آیا

مجھکو خود اکثر یہ خیال آیا ہے کہ خود تحریک کرکے اس امر کو حکام سے دریافت کروں لیکن ہنوز نہیں فیصلہ کرسکا کہ کس تمہید سے کیا پوچھوں۔ یہ گتھیاں انتظام قدرت ہی نے ڈالی ہیں وہی سلجھائیگی۔ خدا کی مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا ہے۔ بہ ظاہر تو اس وقت جام زندگی تلخ کیا معنی زہر ہو گیا ہے۔ بیگناہوں اور معذوروں کو مبتلائے تکلیف کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ اللہ کے فضل و کرم کا امیدوار اور مصلے پر استوار رہنا چاہیئے۔ راحتِ دنیا کے متعلق اپنے ارادوں کے نہ پورا ہونے سے بےچینی ضرور ہوتی ہے اور بہت ہوتی ہے۔ لیکن مومن گھاٹے میں نہیں رہ سکتا ؎

صبح کو کہتا ہوں دیکھوں کسطرح کٹتا ہے دن
شام اُسے ایسا بھلا دیتی ہے گویا کچھ نہ تھا

میں نے اقبال صاحب کو لکھا تھا کہ حسن نظامی سے محبت رکھنا چاہیئے۔ انھوں نے لکھا کہ محبت تو رکھتا ہوں لیکن وہ بُرے طریقے سے اظہار مخالفت کرتے ہیں۔ میں نے لکھا کہ آپ کو محبت اس لئے رکھنا چاہیئے کہ خواجہ صاحب کتنا ہی اظہار بیخودی کریں لیکن اصلی حالت میں آپ کے شریک غالب ہیں۔ اسی کا اثر ہے کہ یو نے دو برس ہو گئے ملنا میسر نہیں ہوا۔ اس خط کا جواب نہیں آیا۔ حال ہی میں لکھا ہے آپ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اقبال صاحب کے مقاصد کی میں قدر کرتا ہوں لیکن جو پیرایہ اختیار کیا گیا ہے وہ دلشکن اور ضرر رساں ہے۔ سوشل تعلقات کی شیرینی رخصت ہوتی ہے۔

جو کچھ بھی ہو میرے نزدیک ہم کو بلحاظ ہماری حالت کے نیکی اور سلامت روی کے ساتھ طاعت باری میں مصروف ہونا چاہیئے۔

میں اچھا نہیں تھا۔ اسی سبب سے اس سے پہلے خط نہ لکھ سکا۔ دن میں کئی مرتبہ بیکل ہو جاتا ہوں اور وہم و اپسیں کا خیال ہر وقت رہتا ہے اس میں نقصان ہی کیا ہے خواجہ بانو کو خدا زندہ اور خوش رکھے۔ میں ممنون ہوا کہ انھوں نے میری خدمت

کے لیئے شہر میں قیام کا ارادہ کیا تھا۔ اُن کی عالی حوصلگی ہے کہ اپنے سلسلے کے ارادتمندوں اور اپنے آستانے کے حاضر باشوں کی خدمت و دلجوئی کا ایسا خیال رکھتی ہیں۔ اگر میں آیا اور شہر میں قیام ہوا تو ایسا ہونا دشوار نہ ہوگا اور مجکو بہت دلی تقویت پہنچے گی۔

میں سال کے ختم ہونے کا منتظر ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ اسوقت تک مطلعِ امید بہت کچھ صاف ہو جائے۔ کیا عجب ہے کہ آخر بھادوں میں قصد کروں:

اکبر۔ امین آباد پارک لکھنؤ۔ ۲۴ اگست ۱۹۱۶ء

جناب خواجہ صاحب۔ ۲۲ گھنٹے ہو چکے ہیں۔ غذا نہیں ہوئی، معدے کی یہ حالت ہے اُدھر کان کے درد نے کل دن بھر بیچین رکھا۔ آج کچھ افاقہ ہے۔ لیکن بعد غذا تسخیر ہوتی ہے اُس وقت محفوظ رہوں تو بات ہے۔ مسلسل شکایتیں رہتی ہیں۔ آخری بستر لگانے کی جگہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ اللہ مالک ہے۔

آپ نے ہوٹل میں ٹھہرنے کا ذکر لکھا تھا۔ کیا الہ آباد آنے کے لیئے آپ آزاد ہیں یا اجازت حاصل کی جاتی اور وہ اجازت وہیں دے دی جاتی یا یہاں سے مراسلت ہوتی اگر آپ ہی ان قیود میں مبتلا ہوتے تو مجکو چنداں خیال نہ ہوتا۔ مشکل یہ ہے کہ میں خود نہیں جانتا کہ کس حالت میں ہوں۔ ایک وقت تو ضرور نظر ہو گئی تھی۔ حالانکہ محض غلط فہمی اور بدگمانی تھی اور ہے۔

کل ایسی سخت گرمی تھی کہ الامان۔ معلوم نہیں وہاں کی آب و ہوا کا کیا حال ہے۔ آپکے مہمانوں سے تو غالباً کچھ تعرض نہ ہو: اکبر حسین۔ پریاوان۔ ۵ اگست ۱۹۱۶ء

~~~

اندر درگاہ شریف دہلی ۲۶ اگست ۱۹۱۶ء

آداب عرض ہے۔ نامہ گرامی ملا۔ مفہوم سے سمجھا کہ آپ شاید تشریف لانے میں تامل رکھتے
~~~

ہیں۔

جی ہاں دہلی جاتا ہوں تو ایک صاحب دور دور ہمراہ رہتے ہیں جس جس سے ملنا ہوتا ہے اسکو قلم بند کرتے ہیں۔

گھر پر جو آئے اس کی بابت ٹھیک معلوم نہیں ہے کہ کیا ہوتا ہے کیونکہ وہ صاحب ہر وقت یہاں نہیں رہتے۔ شاید باہر گھات میں رہتے ہوں۔

حکیم سرہم صاحب نے ازراہ عنایت وعدہ کیا تھا کہ ۲۰ اگست کو نینی تال جاکر آپ کی صفائی کی کوشش کروں گا۔

میں نے اپنی طرف سے ضد و سرکشی کو کبھی قائم نہیں رکھا۔ ہر اصلاح طلب خیال کے آگے جھک گیا۔ اس کے بعد بھی دل صاف نہ ہو تو ضمیر خودداری کی ذلت سمجھتا ہے اور بندۂ خدا ہونے کی ترنگ آتی ہے اور خیال ہر قوت کو ہیچ سمجھنے لگتا ہے۔ (۱)

ڈاکٹر اقبال کا اور میرا کیا مقابلہ، ان کے ہاتھ پاؤں ہیں، میں بے دست و پا ہوں غدر کے زمانہ میں مسٹر مٹکلف نے میرے دادا کو پکڑا تو کہا تمہارے ہتھیار کہاں ہیں، انہوں نے جیب سے تسبیح نکالی اور کہا یہ موجود ہیں۔

آپ نے سچ فرمایا۔ طاعت رب تو سہارا ہے یہ ہو تو بحمد اللہ کسے خوش رکھنے کی ہوس کہاں سے آئے۔

تب بھی اقبال کو میرے سامنے مجکو خوش کرنے کو برا کہا جاتا ہے تو خود بخود جی دکھتا ہے بعض اوقات لڑنے لگتا ہوں۔ اس وقت خیال کہتا ہے اقبال میرے دوست ہیں ان کو کوئی دوسرا برا کیوں کہے۔ (۲)

خواجہ بانو علیل ہو گئی تھیں۔ حاملہ ہونے کے سبب انکی والدہ کو بہت خطرہ ہوا تھا مگر خدا نے فضل کر دیا۔ اب اچھی ہیں۔ کشمیر کے احباب بلا رہے ہیں۔ شملہ کی دعوت تو آٹھویں دن آتی ہے (۳) میں نے آپ کی زیارت کو دل کی سیر تصور کیا تھا۔ کشمیر و شملہ کو اس پہ

نثار کرنا چاہتا تھا۔ دیکھیے خدا اپنی شناخت کے لیے کس کس ارمان کو محروم کرتا ہے۔ (۲)

(۳) معلوم نہیں کیا اسباب ہیں آجکل زیر نظر اشخاص کی دیکھ بھال میں زیادہ تک دوو ہے۔ سب کے ساتھ یہی حال ہے (۳)

حور بانو آداب عرض کرتی ہیں۔ انہوں نے خواجہ بانو کے ساتھ عربی شروع کی ہے مولانا میاں محمد صاحب ایک بڑے متقی و درویش عالم ہیں وہ پڑھانے آتے ہیں۔ معلوم نہیں آپ کی اس تعلیم کی نسبت کیا رائے ہوگی۔ میں نے بلا حصول اجازت تعلیم شروع کرادی۔ مولانا مسن اور پارسا ہیں۔ پردے کی احتیاط پوری رکھی جاتی ہے۔ اب لکھنؤ میں قیام کب تک ہے۔

(۵) حاجی عبدالحق صاحب غنا فروش (تاجر گراموفون) کی خدمت میں سلام مسنون (۵) درگاہی شاہ کوان کے وطن سہارنپور میں میں نے ایک طریقت کے قصور پر اکیس (۲) دن نظر بندی کی سزا دی ہے۔ وہ بہت مضطرب ہیں۔ اکیس دن کے بعد بلا کر گلے ملوں گا۔

حسن نظامی

(۱) ؎ میں خدا ہوتا تو وہی کرتا جو ہو رہا ہے اور ہونیوالا ہے۔ لیکن خدا نہیں ہوں بندہ ہوں لہذا یہ کہتا ہوں کہ اگر خدا ہوتا تو اس فقرے کی داد دینے میں عرش و فرش کو ایک کر دیتا ماشاءاللہ کیا رنگ ہے اور کیا طرز ادائے خیال ہے، کیا بلاغت ہے

راستی موجب رضائے خداست　　کس نہ دیدم کہ گم شد از رہ راست

(۲) آپ کے جذب محبت نے مجکو آپ سے زیادہ بیچین کر رکھا ہے، میں تو دنیا دی

؎ یہ خط حسن نظامی کے خط کی پشت پر نمبر لگا کر لکھا گیا ہے۔ اس واسطے دونوں کا نقل کرنا ضروری معلوم ہوا۔ پہلے حسن نظامی کا خط ہے پھر حضرت اکبر کا ؛

زندگی کی لذتوں اور نیرنگوں سے محروم و مایوس ہو چکا ہوں۔ ہر وقت ساعت آخر کا خیال رہتا ہے۔ چاہا تھا کہ آپ کے رین بسیرے میں آخری بستر لگاؤں۔ آپ سے زیادہ خیر طلب اور مخلص خادم آپ سے زیادہ خدا سے بہتری کی امید دلانے والا میری نظر میں میرے لیئے کوئی نہیں۔ لیکن جب اطمینان دل نہ ہو تو کیا کیا جائے۔ اسی فکر میں ہوں۔ حالت تو یہ ہے کہ اگر الہ آباد گیا تو تجویز ہے کہ دوسرے مکان میں یعنی کرائے کے مکان میں رہوں۔ اللہ اپنی مصلحتوں کو خود خوب جانتا ہے۔ باوجود اس شوق کے یہ اطمینان نہ مل سکنا بے معنی نہیں ہو سکتا۔ اگر لذتِ نفس کے لیئے ملنا ہے تو نفس کی محرومی باعث قوتِ روح ہے۔ اگر خدا کے لیئے ملنا ہے تو گو مفارقت ہو لیکن اس خیال سے سہارا ہے کہ خدا دونوں سے ملا ہوا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی تحریر مینی تال بھیجوں۔ طبیعت اچھی نہیں ہے۔ قبض، درد سر، تبخیر اور سب سے زیادہ یہ خیال کہ وقت آخر آ گیا۔ ان امور نے ہمت سفر بہت کم کر دی ہے۔ ایسا سفر جو اس خیال سے کیا جائے کہ پھر واپس آنا ہے اور ٹھکانا کہیں اور ہے۔ موسم بھی اچھا نہیں۔ ابھی تک لکھنؤ میں ہوں اور قصد قیام ہے۔ یہاں تک کہ دہلی آ سکوں۔ آئندہ جو اللہ کی مرضی ہو۔

(۳) ضرور کچھ اسباب ہیں۔ جہاں تک آپ ایسوں کو تعلق ہے۔ حکام کی ناواقفیت اور بدگمانی پر سخت افسوس ہے اگر کسی سے بہ سبب غلط فہمیوں کے کچھ لغزش ہوئی اور اس نے افسوس ظاہر کیا اور معذرت کی تو چشم پوشی چاہیئے بلکہ دلجوئی۔ ع

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

بہر حال جو کچھ ہو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد مطلع کو روشن تر کر دے۔ گو بالکل صاف نہ ہو میں تو بہر حال حامی و خیر خواہ گورنمنٹ ہوں لیکن اب کسی قابل نہیں رہا۔

(۴) پاگل لوگ اگر بہت زیادہ پاگل نہ ہوں تو ہوشیاروں کی قدر کرتے رہیں۔ بسر دست اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آئندہ ہر ایک کی توفیق اور سمائی۔ کل ایک صاحب نے میرے اس خیال پر بڑی تشنگی ظاہر کی کہ اسوقت ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو ہوٹل اور مغربی

ارتباط نے یا شرابی بنایا ہے یا دیوان حافظ نے، انہوں نے فرمایا کہ دیوان حافظ والے تو عموماً ابرار اور متقی ہی گزرے ہیں۔ بہرکیف شاید کالج ہی کچھ رنگ لائے، ہم تو نکمے ہیں اور دعائے مغفرت میں مشغول۔

۵، لڑکیوں نے عربی شروع کی بہت ہی اچھا کیا لیکن مشکل چیز ہے۔ بہرحال مسائلِ مذہبی اور تاریخ مذہبی سے اُردو زبان کے ذریعے سے بھی واقفیت حاصل کریں۔ میں اب تھک گیا۔ پھر لکھوں گا۔ نمبر آپ کے خط میں لگا دئے ہیں اُن کے ذریعے سے خط پڑھیے گا۔ جب آپ درویش پریس جاتے ہیں تب پولیس کیا لکھتی ہے۔ وہاں تو اکثر جانا ہوتا ہوگا۔ اور جب آپ کسی سے باتیں کرتے ہیں تو کیا اُن کا بھی خلاصہ لکھا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو عمدہ رسالہ زبان اُردو کا مرتب ہو جائیگا۔ حکیم حاذق الملک کہاں ہیں ؟

مکرم۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ حکیم برہم صاحب کے خط کا یہ مضمون تھا۔ میں خود اس خیال میں ہوں کیا کہوں۔ گھر میں کچھ حادثات پیش آئے اور میری مالی حالت نے بھی جواب دیا۔ اب اسی ہفتے میں نینی تال جاؤنگا اور کوشش کرونگا۔ آپ سے ملنے کو ایک دن کے لئے لکھنؤ ٹھہر جاؤں گا۔

ہفتہ شاید گزر گیا اور وہ تشریف لائے اس وقت اس فقرے کا خیال آیا جس پر نشان کھینچ دیا ہے۔ کیا اس کے متعلق کچھ کرنا چاہیئے۔ میں بھی حاضر ہوں اگر ضرورت ہو، لیکن کیا مقدور ہو[1]

اکبر حسین۔ لکھنؤ۔ امین آباد پارک نمبر ۲۴۔ ۶۔ ستمبر ۱۹۱۶ء

---

[1] حضرت نے حکیم برہم صاحب سے حسن نظامی کی سفارش چاہی تھی کہ الہ آباد آنے کی روک دور ہو جائے حکیم صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ نینی تال جا کر سفارش کرونگا۔ ۱۲

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مدتیں گزریں شدتِ تبخیر سوداوی نے میرے دل و دماغ کو پریشان کر دیا۔ اوہام کے ہجوم میں نہ صحیح رائیں قائم کر سکتا ہوں نہ حالات موجودہ سے اپنے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کر سکتا ہوں۔ اور سچ یہ ہے کہ جب اعضا میں قوت نہ رہی تو کچھ نہ رہا۔

رات یہ خیال آیا کہ جب ہم پاک صاف بیگناہ ہیں، کسی سازش بندش میں شریک نہیں، نادانوں سے محترز اور شریروں کے مخالف ہیں، ہم کو کوئی خاص ہدایت نہیں ہوئی تو پھر کیوں مبتلائے اوہام رہیں۔ کیوں نہ بے تکلف احباب دہلی سے ملیں۔

لیکن آپ تو شملے جا رہے ہیں معلوم نہیں کب آئیگا پھر قطعی طور پر کچھ لکھ بھی نہیں سکتا۔ کسی وقت طبیعت بحال ہوئی تو ہمت سفر بندھی۔ معاً تبخیر شروع ہوئی۔ اعضا بیکار ہو گئے۔ جو اللہ کی مرضی۔ ہاں یہ پوچھتا ہوں کہ شملے سے انشاء اللہ کب تشریف لانیکا ارادہ ہے۔

واحدی صاحب سلمہٗ اور اُن کے اسٹاف سے ملنے کا بیحد آرزومند ہوں، سبب یہ ہے کہ آپ کے یارانِ طریقت میں ہیں۔ آپ کا فیض ہے۔ عارف صاحب سے میں خوش ہوں کہ آپ کی مدح گستری میں انہوں نے قلم اُٹھایا ہے۔

آپ نے اچھا کیا کہ اشاعت خطوط کی اجازت نہیں دی۔ اسوقت مضامین سے قطع نظر محض میرا تعلق پریس بھی غالباً محل نظر ہے۔ دسمبر تک انتظار چاہیئے۔ بہر حال قبل اشاعت بہ شرط زندگی میں اُن خطوں کو دیکھ لوں۔

بہت لوگ ایسے ملتے ہیں کہ بڑا دعوائے عرفان الٰہی اور عشق حقیقی کا۔ لیکن بعد تجربے کے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف دنیا طلبی اور پالٹکس کا مذاق رکھتے ہیں۔ اُن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بظاہر تھا براقِ راہِ عرفاں چو وہم بر داشتم لیڈر بر آمد

مولوی تو رخصت ہو چکے۔ مشائخ اور صوفیوں سے غریب پبلک کے قلوب و عمل کچھ سنبھلے

ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ نادانی سے اُن کے درپئے بھی ہیں۔ اُن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بقیۂ ریش نوچوں شیخ کی بس یہ ارادہ ہے
سبب یہ ہے کہ طاقت کم ہے اور فرصت زیادہ ہے

افسوس ہے کہ قلم کو یہیں روکنا پڑا۔ اور لکھنا تھا لیکن طاقت نہیں پھر لکھوں گا۔
خدا گناہوں کو معاف فرمائے۔ عاقبت بخیر کرے۔ ملک میں امن و امان قائم رہے
گورنمنٹ مطمئن ہو۔ اکبر حسین۔ الہٰ آباد۔ ۸ ستمبر ۱۹۱۶ء

ڈیرسر میں نے شاید عرق بادیان کے لیئے آپکو لکھا ہے لیکن خیال آیا کہ آپ شہر سے دور ہیں اور سکونِ طبع بھی میسر نہیں لہذا براہِ راست حکیم صاحب کو لکھ بھیجا ہے۔ حاجی صاحب کو بھی لکھدیا ہے کہ ملجائے تو لیتے آئیں۔ آپ کا مطول خط ملگیا ع

دریں ہر گریہ آخر خندہ ایست

چیف کمشنر صاحب سے ملتے رہیئے۔ مریدین کا مشائخ سے ملنا معمولی بات ہے۔ ہمیشہ سے سلسلہ ہے۔ اس میں جدت کیا ہے۔ بہر حال حق کا راضی خدا۔ لالہ جی ستائیں تو اُن کا پاپ ہے، گورنمنٹ بہر حال مائی باپ ہے۔ میرے لیئے دعا فرماتے رہیئے۔ کتابِ مضامین پہنچی کیا پوچھنا ہے۔ اس میں میں بھی زندہ کیا گیا ہوں۔ تھینکس واحدی صاحب نے بھی خوب لکھا ہے۔ نیازمند اکبر۔ الہٰ آباد ۲۴ ۱۳ ستمبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ جو پریشانی آپ کو لاحق ہے اُس میں میں آپکا شریک غالب

ف اس زمانہ میں پولیس حسن نظامی کی نگرانی کرتی تھی اور مریدوں کے پاس جانا آسان نہ تھا۔ اسی لیئے ارشاد ہوا کہ چیف کمشنر دہلی سے ملتے رہو۔ ۱۲

ہوں۔ لیکن وہ صرف آزادی نہ ہونے کی بے لطفی ہے نہ یہ کہ اور کوئی خطرہ ہو۔ آپ نے کیا کیا ہے۔ بہر حال خدا کا فضل چاہیئے۔

آپ نے اچھا شغل شہادت نامے کا پیدا کیا۔ غالباً اس کی ضرورت بھی ہے۔ میں کیا مشورہ دیتا۔ اس کوچہ میں کبھی قدم ہی نہیں رکھا۔ اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کس امر خاص میں مشورت مطلوب ہے۔ دائرہ قبول وسیع ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لیئے صوفی مشرب ہونا خوب ہے۔ لیکن مقبول کل ہونا کسی کے حصہ میں نہیں۔ یعنی مذہبی پہلو سے اور یوں تو آپ کے طرز بیاں کی دھوم ہے ڈپٹی کمشنر نے غلط نہیں کہا کہ آپ بڑے شخص ہیں،[1] بڑائی کا ٹیکس دیتے ہیں۔ اس نے بڑا آدمی کہا، بڑا شخص کہنا چاہیئے تھا۔ خیر اللہ مددگار ہے۔ آپ کی محبت و توجہ کا بہت ممنون ہوا لیکن میں اس اظہار کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

ماجد صاحب آپ کے اخلاق درویشانہ کے بہت معتقد ہیں اور میں بہت خوش ہوتا ہوں جب آپ کا کوئی مداح ملجاتا ہے۔ اپنا حال کیا لکھوں، بے ٹھکانے ہو رہا ہوں۔ بار بار دلی آنے کی ترنگ دل میں آتی ہے۔ اکبر حسین۔ امین آباد پارک لکھنؤ ۲۴، ۲۸ ستمبر ۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس مصیبت کی کچھ حد نہیں۔ آگے لوگ دنیا سے بیزار اور دل شکستہ ہوتے تھے تو فقیری اور صحرانشینی میں پناہ لیتے تھے۔ مجکو یہ بھی اجازت نہیں۔ نشاط طبع مقصود ہے، اخبار اور کمیٹی اور مضمون ہیں۔ دل نہیں لگتا۔ رہنے ہی کا ٹھکانا نہیں اور طبیعت کا یہ حال کہ ہر وقت محتاج خدمت۔ آپ سے کیا کہوں کہ دعا کیجیئے۔ خدا کرے

---

[1] حسن نظامی کی ڈاک پر سنسر تھا۔ جب بہت تکلیف ہوئی تو اس نے حکومت دہلی سے اس کا سبب پوچھا جواب ملا "تم بڑے آدمی ہو تمہارے پاس بیرونی ممالک سے خط آتے ہیں۔ جنگ کا زمانہ شروع ہے بڑائی کا ٹیکس دینا چاہیئے" ۱۲۔ حسن نظامی

پرائیویٹ معاملات سے اطمینان ہو ۔ اکبر حسین ۔ لکھنو ۔ یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء

میرے پیارے خواجہ صاحب ۔ اللہ کے حفظ و امان میں رہیئے ۔ جالب صاحب آپ سے مراسلت کا ذکر کرتے تھے ۔ میں نے کہا کہ آپ کو دیکھکر مسرت ہوتی ہے ۔ بوئے یارمی آید یعنی آپ خواجہ صاحب کے دوست ہیں ۔

سلیمان الہ آباد ہی میں ہے ۔ ایک خط سے معلوم ہوا تھا کہ اچھا ہوتا جاتا ہے ۔ چار پانچ روز میں آجائیگا ۔ لیکن ہنوز نہیں آیا ۔ پرسوں بقر عید ہے ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں ۔ میری لائف کو یاد کیجیے اور اس وقت یہ حالت دیکھیے ۔ بات تو یہ تھی کہ یا عشرت منزل میں اُسی سامان سے رہتا ۔ یا آپ کی خانقاہ میں ۔ لیکن دونوں جگہ سے نظریں روکتی ہیں ۔ ارادہ کر رہا ہوں کہ کل پرتاب گڈھ چلا جاؤں ۔ پھر جو خدا کا کرنا ہو وہ ہو ۔ اس مختصر بالاخانے پر کب تک پڑا رہوں ۔ سردی بھی آپہنچی ۔ اور میں ہر وقت ایک نہ ایک شکایت میں مبتلا رہتا ہوں ۔ نور میاں صاحب نے بڑے تکلف سے دعوت کا کھانا بھیجا ۔ اُن کے بھائی صاحب نے بھی کھانا بھیجا ۔ اصرار کیا کہ میری کوٹھی میں رہیئے ۔ نواب سرو جنگ نے بھی بہت مدارات کی ۔ مدعو کیا ۔ اور کس کس کو بتاؤں ۔ لیکن میں اپنی پریشانیوں میں گم ہوں ۔ لیکن ہر نفس اللہ پر نظر ہے ۔ لہذا پریشانیاں مبارک کہی جاسکتی ہیں ۔ زندہ رہا تو دہلی پہنچکر آستانہ بوسی کروں گا ۔ معلوم نہیں حاذق الملک بہادر رامپور سے واپس تشریف لائے یا نہیں ۔ اُن کے عنایت نامہ کا جواب لکھنا ہے ۔

مجھکو آپ کا بہت خیال رہتا ہے ۔ آپ کا کیسا مالی نقصان ہو رہا ہے اور پبلک کی محرومی کا کیا بیان کیا جائے ۔ میں خود بھی ابتری حالات کے سبب سے منتظم طریق میں نہیں رہ سکا چاہتا ہوں کہ ایک ٹھکانے کی جگہ مل جائے ۔ اسکو مرکز قرار دیکر پھر سفر کرتا رہوں ۔ بشرط زندگی و صحت خدا کرے شہادت نامہ جلد ختم ہو اور نتائج حسب مراد نکلیں ۔ گھر میں سب کو دعائیں

دوستوں کو سلام۔　　آپکا مربی اکبر لکھنو۔ عشرت آباد پارک نمبر ۲۴۔ ۲ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

اب کے محرم میں کیا ہوگا۔ ۸-۱۰ اشتہار مجکو بھیج دیجیے۔ اذان کا مضمون خوب ہے۔ دل اچھا ہے۔ جو آواز اٹھیگی دلنواز ہوگی۔ اسوقت سر میں درد ہے۔

اکبر۔ لکھنو۔ ۷۔ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

پیارے خواجہ صاحب۔ خدا یت یار باد۔ آپ کا مالی نقصان ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ پبلک کا مذہبی اور اخلاقی نقصان اس روک سے بہت ہوا جو آپ کی تشریف آوری پر لگادی گئی افسوس اُن کے حال پر جو اس کے ذمہ دار ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ عشرت منزل اور آپ کی خانقاہ کے سوا میں کہیں اور کیوں اور کبتک اور کس دل سے رہوں۔

کرشمۂ قدرت یہ ہے کہ انہیں دونوں جگہوں کے متعلق مجھپر گمان ہیں۔ بزرگانِ دنیا اور احبابِ قدر افزا نہایت شوق و اصرار سے اپنی اپنی طرف مدعو کررہے ہیں۔ مکان دے رہے ہیں۔ لیکن دل نہیں بڑھتا۔ دیکھتا ہے کہ کیا منزلیں درپیش ہیں۔

۱۵ اکتوبر کو قصد ہے کہ پرتاب گڈھ میں عشرت سلمہ سے ملوں بعد ازاں الہ آباد جاؤں۔ نہ معلوم کہاں ٹھہروں۔ ۲۲ کے بعد پھر کہیں کا قصد کردوں۔ کاش دہلی کا۔

اب خط الہ آباد کے پتہ سے بھیجئے گا۔ وہاں نہ بھی ہوں گا تو انشاء اللہ پہنچ جائے گا حور بانو۔ خواجہ بانو کو دعائیں۔ مجھکو خیال آتا ہے کہ آج ہی آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔

نیازمند اکبر۔ لکھنو۔ ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

خدا کا شکر ہے۔ طاقت ہماری　　مصلّے ہے ہمارا تخت شاہی

ہماری فوج ہے۔ اخلاق حسنہ ہمارا حصن[1] ہے۔ ترک مناہی

بلندا پنی نظر ہے فضلِ حق سے کریگی کیا کسی کی کم نگاہی

جو یہ سچ ہے کہ جو چاہوں وہی ہو

تو چاہوں گا وہی ہونا ہے جو کچھ

اکبر۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۱۶ء

عزیزی حبیبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کی خیریت نہیں دریافت ہوئی خط نہیں آیا تعلق خاطر ہے۔ الہ آباد جانا ضرور ہے۔ دونوں بہنیں میرے لیئے بیچین ہیں۔ اُن کے سوا اور ہے کون سید کی ماں اپنے تعلقات سے مجبور ہیں۔ حمید کی دادی بہت ناتوان ہیں تاہم مستعد ہیں کہ جہاں بلائیے آؤں۔ لیکن کہاں بلاؤں۔ درگاہ نظامیہ میں ٹھکانا ملسکتا تو وہیں بلاتا مجھکو بھی وہاں کی خاک سے مناسبت اُن کو بھی۔ دیکھیئے اللہ کیا کرتا ہے۔ الہ آباد سے کچھ چیزیں بھی لینی ہیں۔ اگرچہ روکا جاؤنگا۔ لیکن بہت دل برداشتہ ہوں۔ احباب لکھنؤ بہت گرویدہ ہیں لیکن وہی بات ہے کہ :۔ ع

از درون من نہ جست اسرار من

یہ تو میرے عقیدے میں آپ ہی نہیں ہے۔ دہلی کا ارادہ ترک نہیں کیا بجز اسکے کہ آپ صریحاً ممانعت کریں۔ وہاں دو بیبیاں میری رشتہ دار ہیں۔ بلی ماران میں رہتی ہیں اُنکا اصرار ہے۔ آپ نے شہادت نامہ پر توجہ کی یہ سمجھیئے کہ نظم ہی نہیں فائدہ ہے :

اکبر۔ لکھنؤ۔ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء

---

[1] خاک کی مناسبت میں صاف اشارہ ہے کہ دہلی میں دفن ہونا چاہتے تھے۔ ۱۲

مکرمی زاد لطفہٗ۔ کل بعد دوپہر یہاں پہنچا۔ الحمد للہ کہ عشرت میاں کے دل کو آپ سے اور آپ کی طریقت سے بے تعلق نہیں پایا۔ عقل پیچ پیچ پڑھتا ہے۔ اللہ مدد کرے۔ بچہ کمزور ہے میں نے مشورت وہی ہے کہ حاذق الملک صاحب کو دکھاؤ۔ عشرت مستعد ہیں کہ ہفتے عشرہ کے لیے دہلی جائیں۔ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ دو روز قریب میں الٰہ آباد جاؤں۔ وہاں سے دہلی آؤں۔ لیکن کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیا ہو سکے گا۔ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ اسوقت تو یہ حالت ہے کہ جائے قیام ذہن میں متعین نہیں ہے۔ مرید حضرت دل ہوں مقیم خانۂ تن ہوں۔

آپ کے قبلہ و کعبہ[1] کے مضمون پر اخبار مشرق میں کسی صاحب نے بہت کچھ فضول لکھ ڈالا ہے۔ جی چاہتا ہے جواب لکھوں۔ میں نے تو ایک دفعہ لکھا تھا جناب جامع مسجد دہلی مدظلہٗ۔ یہ کیا۔ جناب من بات یہ ہے کہ ہر شخص سے بلحاظ مرتبہ خطاب مناسب ہے۔ بافضل جامع مسجد دہلی آئندہ ترقی کیجیے گا تو کچھ بھی لکھوں گا۔

اودھ اخبار میں شعرا کانفرنس کے ساتھ آپ کا ذکر کیا۔ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ شاعری کو اس کانگریسی اور کانفرنسی سانچے میں کیوں ڈھالتے ہو۔ جواب تو یہی ہے۔ اسلیے کہ تم سے قافیہ ملاتے رہیں۔ دیکھیے کیا موزوں جواب ہے۔

اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ صحت جو کچھ ہے قائم رکھے۔ ارادوں پر عمل کر سکوں۔
سب کو دعا سلام۔ خاکسار اکبر۔ پرتاب گڑھ۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۷ء

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عشرت سلمہٗ کو میرے یہ اشعار بہت پسند آئے ہیں ؎

---

[1] حسن نظامی نے لکھا تھا کہ قبلہ و کعبہ کسی آدمی کو لکھنا برا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت کا لطیفہ جناب جامع مسجد دہلی بہت ہی خوب ہے۔ ۱۲

گو سعی ہوائے شوق نے کی بو اُسکی نہ نکلی محفل سے
مجنوں نے اُڑائی خاک بہت لیلےٰ نے نہ جھانکا محمل سے
دنیا کے تغیر کا نہیں حس شیدائے جمال باری کو
پروانے کو مطلب شمع سے ہے کیا کام ہے رنگ محفل سے
ایذا کا مجھے حس ہی نہ ہوا فریاد و فغاں میں کیا کرتا
جس وقت نہ خنجر تھا گلا آنکھ اپنی ملی تھی قاتل سے

جونپور میں دہی سالانہ عرس ہونیوالا ہے عشرت کہتے تھے کہ ہتھم کو لکھ بھیجوں گا کہ کسی قوال کو یاد کرا دیں۔ میں نے کہا کہ اپنا اپنا مذاق ہے۔ اور تم سنو تو ایک بات ہے۔ میں نے آپ کو بھی مطلع کر دیا۔ عشرت کو شوق تو ہے قوالی سننے کا۔

کیا عجب ہے کہ عشرت بھی دہلی کا قصد کریں۔ رخصت مل گئی تو قصد پورا ہوگا۔ انشاء اللہ مجکو تو ابھی سے سروی محسوس ہوتی ہے۔ اگر آنا ہے تو اسی اکتوبر میں آؤں۔ عشرت دنیا دیکھ آئے لیکن ابھی دلی نہیں دیکھی۔ اکبر۔ پرتاب گڈھ۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء

مکرمی سلمہ۔ جبتک اللہ کا حکم نہ ہو ہم آپ کیونکر مل سکتے ہیں شوق ہے ہوا کرے۔ اس تمنا میں کہ حور کے نکاح کے وقت موجود ہوں، کل میں الہ آباد سے روانہ ہوا۔ راجہ میاں دلی کے مشتاق تھے اور چار دن کی تعطیل تھی ان کو بھی ساتھ لیا اور اپنے ساتھ سکنڈ کلاس میں بٹھایا تاکہ دل نہ گھبرائے اور متفرق چیزوں کے نگراں رہیں۔ نیدو اور سلیمان تھرڈ کلاس میں تھے۔ ریل چلی اور ہم خوش تھے کہ دوپہر کو آپ کے ساتھ کھانا کھاتے ہونگے اور نیدو صاحبہ کی بلائیں لیتی ہونگی۔ وہ وقت تبخیر کا تھا اور گاڑی میں دو تین انگریزی خواں مخل مزاج تھے مجھکو غیر معمولی قبض کی شکایت تھی۔ فتحپور پہنچکر کچھ غذا ہوئی پھر لیٹ رہا۔ کچھ آنکھ لگی تو پھر اختلاج اور ناتوانی اعصاب سے اس شدت سے بے چین ہوا کہ حواس مختل ہو گئے۔ کانپور میں مجبوری

اُتر پڑا۔ نیدھا اور راجامیاں سے کہا کہ تم لوگ چلے جاؤ پہلے تو وہ رضامند ہوئے لیکن پھر غالباً اس خیال سے کہ مرا ساتھ نہ چھوڑیں انہوں نے سفر کو قطع کیا۔ ویٹنگ روم میں رات بھر بیچین رہا ممکن تھا کہ کسی دوسری ٹرین میں دہلی روانہ ہوتا۔ لیکن کھانیکا جو شرائط کے ساتھ ہوتا ہے کوئی انتظام نہ تھا۔ لہذا نہایت افسوس کے ساتھ سات بجے صبح کے پسنجر میں الہ آباد واپس پہنچا اور عشرت منزل ہی میں چلا آیا۔ آٹھ بجے صبح کو طبیعت درست ہوئی اگرچہ نماز صبح ہی کے وقت سے خفت شروع ہوگئی تھی۔ اب کیا کہوں کہ کیا کرنا چاہتا ہوں۔ ایک خیال یہ ہے کہ پہلے سے منازل مقرر کرکے اور احباب کو لکھکر انتظام کرکے سفر کروں۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ تبخیر دوسرے وقت عموماً ہوا کرتی ہے اور رات ہی کو اکثر شدت ہوتی ہے۔ لہذا علی الصباح اکسپریس میں چلوں اور ساڑھے آٹھ بجے شب کو دہلی پہنچوں لیکن وہ وقت اچھا نہیں۔ آپ تک پہنچنے میں ۱۰ - ۱۱ بجیں گے۔

میں یہ دیکھکر خوش ہوں کہ آپ اپنی علمی قابلیت اور قرآن کی واقفیت کو بڑھا رہے ہیں اور باطنی اور روحانی ترقی کی بھی فکر ہے۔ ایسا جو خزانہ جمع کرتے ہیجیے بس وہی آپ کا ہے۔ حور کا عقد کس لڑکے سے ٹھہرا ہے۔ کیا عمر ہے۔ کیا تعلیم ہے۔ کیا کرتا ہے۔ رخصتی کب ہوگی ہم لوگوں کو پیشتر سے اطلاع چاہیے پہلے سے فارغ ہوکر تبرو تیجیے گا۔ میری غذائے روح ہی لٹریری اور صوفیانہ سوسائٹی ہے جس کے صدر آپ اور عزیزی واحدی وغیرہ ممبر ہیں۔ اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنِیْ مَعَ الْاَبْرَارِ وَاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ :- اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۶ء

جناب من کارڈ پہنچا۔ امید ہے کہ میرا خط پہنچ گیا ہوگا۔ میں ساڑھے گیارہ بجے ریل سے اُترا۔ شاید شام کو خط لکھا۔ ۲۷ کو روانہ ہوا ہوگا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ۲۸ مارچ کو شام کو اسٹیشن پر گیا، اسباب ساتھ ٹکٹ لیے جاتے تھے کہ طبیعت خراب ہوگئی۔ واپس آیا۔ اس مرتبہ تو روانہ ہی ہوگیا اور کسی اہتمام سے۔ لیکن کانپور پہنچکر ایسی حالت ہوئی کہ اُترنا ہی پڑا۔ اس

دورے کے وقت ایک خفقان سا ہو جاتا ہے۔ باندی بی بی تو کہتی ہیں کہ ضرور کچھ مصلحت ہے کہ آپ دہلی سے روکے جاتے ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ اللہ کو منظور نہ تھا کہ اس وقت دہلی پہنچوں۔ لیکن یہ مصلحت کیا کم ہے کہ ارمان نہ پورا ہونے پر دل بیچین ہو۔ مغرب کا وقت قریب ہے کچھ لکھ چکا ہوں کچھ پھر لکھوں گا۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۶ء

مکرمی دام مجدکم۔ داماد کے انتخاب میں آپ نے عقلمندی سے کام لیا۔ ہر اعتبار سے میں مطمئن اور مسرور ہوا۔ اللہ راست لائے۔ تعلیم عربی فارسی بھی کچھ ہو اور عمدہ سوسائٹی میں اُس لڑکے کو شریک ہونے کا زیادہ موقع ملنا چاہیئے۔ مطلب یہ ہے کہ ذی علم اور صاحب امتیاز لوگوں میں۔

آپ کا قیاس صحیح معلوم ہوا ہے۔ سردی میں مجھکو تبخیر زیادہ ہوتی ہے۔ جہاں احتباس ریاح کو دیر ہوئی خفقان اور سوٴ خیال شروع ہوتا ہے۔ اسوقت بالکل آزادی اور سکون کی طلب ہوتی ہے۔ ہنگامہ دہلی میں یہ کہاں۔ متواتر صدمات اور تحمل نے دل کو اور بھی کمزور کر دیا ہے۔ امید ہے کہ کمزور ہونا اچھا۔ یعنی یہ کمزوری صرف طلب دنیا اور تعلقات کی طرف سے ہے۔

میں شاید فیصلہ کر لوں کہ گرما وہیں بسر کروں۔ مکان ٹٹی پنکھے کا بندوبست کر دیا جائے خیر اس کے لیئے ابھی بڑا وقت پڑا ہے۔

آپ پہلے شرکت کانفرنس کی نسبت تو لکھیئے۔ اگر نہ لکھ چکے ہوں تو لکھیے کہ میں قیاس کرتا ہوں کہ جناب والا کو میری شرکت کانفرنس میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ لہذا شریک ہونے کا ارادہ ہے۔ تاہم اگر اجازت صریح مرحمت ہو تو عین نوازش ہے۔ اگر لکھ چکے ہوں تو خیر دوسرے مضمون یعنی میری عیادت و خدمت کی نسبت سوچکر لکھوں گا۔ خواجہ بانو اب کیسی

ہیں۔ حور بانو سے کہہ دیجئے افسردہ نہ ہوں۔ میری صحت کی دعا کرتی رہیں جصۂ اول نہیں رہا حصۂ دوم کل روانہ ہوگا۔

جی ہاں گھر ہی میں اعتکاف اچھا ہے۔ بلحاظ آپ کے منصب کے یہ ضروری و موزون ہے ورنہ آپکی دل کی درستی اور توجہ الی اللہ فطرتی ہے۔ یہ اللہ کی نعمت ہے۔ تعلیم و ریاضت کو دخل نہیں۔ مراسلت رہیگی یا نہیں

لکھنؤ قریب ہے دن ہی دن میں سفر ہو سکیگا۔ آپ آئے اور میں زندہ اور قابل سفر رہا تو آپ سے ملنے کو انشاء اللہ ضرور آؤں گا۔ کہیں لحاف میں دبکا ہوں گا۔ آپ کا وہ سفر تو میرے لئے ہوگا ؎

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالی۔ آپ یہاں کے حالات اور رنگ طبائع سے آگاہ نہیں ہیں۔ قیاس کو امید اور آرزو کی طرف بہت وسیع نہ کیجیے اور افضال الٰہی کے منتظر رہیے۔ میں کیا کہوں کہ خود کس درجہ مقبول ہوں۔ بہرحال اجازت عیادت اکبر نہ طلب کیجیے۔ وہی شرکت کانفرنس ٹھیک ہے۔ نبض دیکھیے۔ میں بھی موقع کا منتظر ہوں۔

تمام حالات ایسے جمع ہیں کہ میرا دل یہاں رہنے کو نہیں چاہتا۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ میں خود اپنے دل کو دیکھتا ہوں کہ آرام و عافیت اور خدا اور آخرت کا خیال رکھنے والوں کی صحبت کا طالب ہے۔ اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور نہ کوئی مزاحم ہوگا کیوں مزاحمت ہونے لگی۔ لیکن عزیز لوگ ہیں کہ بدحواس ہوئے جاتے ہیں۔ بس چپکے بیٹھے رہیئے کہیں نہ جائیے۔ اُن کے دل، اُن کے اغراض، اُن کے قیاسات کو کیا کروں۔ لیکن تابکے۔ خدا سے اُمید ہے کہ فضل کرے ؎

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۱۶ء

محرم تلمے کا شکر گزار ہوں۔ میں بہت کم کسی رسالہ کو پڑھتا ہوں لیکن اسکو دل لگا کر

دیکھ رہا تھا۔ میں نے دل کہاں لگایا تھا۔ دل خود ہی لگ گیا تھا۔ چند ورق پڑھے تھے کہ منشی
سید ولی احمد مانگ لے گئے۔ اُن کی کاپی آجائیگی تو واپس دینگے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عشرت منزل کے شمالی برآمدے میں جو باغ کی طرف ہے رہتا اور سوتا ہوں لیکن آج صبح کو سردی زیادہ محسوس ہوئی شانوں میں درد تھا۔ اب کمرے میں چلا جاؤں گا۔ عشرت بڑا گڈھا بناتے ہیں۔ بنگلہ جنگل میں ہے۔ بہت سردی ہوتی ہے۔ دو تین دن کے لیئے بے تکلف چلا جاؤں گا۔

رات مولوی احسان اللہ صاحب عباسی گورکھپوری جنہوں نے بلا اصل متن کے قرآنِ مجید کا اُردو ترجمہ شائع کیا ہے اور میرے مکرم اور آپ کے بھائی احسان کے اُسوہ حسنہ کے نامہ نگار ہیں مجھ سے ملنے تشریف لائے تھے۔ فرماتے تھے کہ درود جو نماز میں پڑھتے ہیں کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ۔ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اسی سے امامت بارہ اماموں کی ثابت ہے۔ اور میں تو لکھنؤ جاتا ہوں تو شیعہ مجتہدوں کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔ البتہ ہاتھ باندھکر پڑھتا ہوں کیونکہ عادت پڑی ہوئی ہے۔ اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔ تبرا پر مزاحمت نہیں کرتا کیونکہ مزاحمت سے ضد بڑھتی ہے۔ خلفائے ثلاثہ کو دنیوی بادشاہی حاصل تھی۔ روحانی سلطنت بارہ اماموں میں تھی۔

آپ کے دوست اُسوہ حسنہ کے لیے یہ مضمون مفید عام مولانا سے کیوں نہیں حاصل کرتے ؟؟

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۳ نومبر سنہ ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عزیزی اقبال حسین کے خط سے معلوم ہوا کہ عشرت میاں نے اُن کو لکھا ہے کہ بڑے دن کی تعطیل میں دہلی کا قصد کروں گا۔ میرے لیئے تو وہ شدید سردی کا وقت

ہوگا خیر زندگی ہے تو دیکھا جائیگا۔

محترم نامے کے صرف چند صفحے میں نے دیکھے تھے کہ منشی رسول احمد صاحب منصرم عدالت دیوانی وہ کتاب یہ کہکر مجھ سے لے گئے کہ کل واپس کردونگا۔ لیکن اب تک واپس نہیں کی۔ کہتے ہیں کچہری میں بھول گیا۔ بعد تعطیل ملیگی۔ لیکن بارہا انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ شیعہ اُس سے بہت خوش ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ شیعہ بھی لکھتا تو اتنا ہی لکھتا۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ انہوں نے مبالغہ کیا ہے۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہوگا صحیح واقعات اور مناسب جذبات کی بنا پر لکھا ہوگا۔ منشی رسول احمد صاحب نے محترم نامہ اور مجموعہ مضامین دلیپو پے ایبل آپ سے مانگا ہے کہ ان میں اُن کو جلد بھیج دیجئے تاکہ میری کتاب واپس ملے۔

اقبال صاحب کا خط آیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ میں تصوف کے خلاف نہیں ہوں صرف چند مسائل سے اختلاف ہے۔ جو کچھ ہو شکستگی دل بری چیز ہے۔ یا گداز دل کہیئے۔ یہ نہیں تو وہ رنگ نہیں۔ میں نے لکھدیا کہ خواہش یہی ہے کہ آپ محبوب قلوب رہیں۔ میں تو عبرت و آلام کے ہاتھوں مردہ ہوگیا۔ میں ہوں اور ایک دوسرا عالم ہے۔ خبر نہیں دنیا کہاں ہے اور اس کی اصلاح کے لیئے کیا کہنا اور کیا کرنا چاہیئے ؎

آمادہ حریف ہیں ستانے کے لیئے ‌ ‌ اور دکھ میں شریک ہونے والا نہ رہا
زندہ ہوں تو مجھ پہ ہنسنے والے ہیں بہت ‌ ‌ مرجاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہا

خدا آپ کے اعتکاف کو قبول فرمائے اور ترقی عطا کرے۔

نیازمند اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۶، نومبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالی۔ محترم نامے میں آپ نے نہایت قابلیت و محنت سے واقعات جمع کردیئے ہیں اور طرز بیان ایسا اچھا ہے کہ جس نے دیکھا دیکھتا ہی رہ گیا یہاں تک کہ ختم کیا۔ آپ جہاں تھے دیتے ہیں کوئی کچھ کہے۔ بہت اچھی نصیحت آپ نے کی ہے۔ مانتا کون ہے

لیکن کسی کو غصہ بھی نہ آئیگا۔ اقبال صاحب نے البتہ بہت ترقی کی ہے۔ اُن کو ضرورت ہے میں یہ لکھدوں گا ؎

آپکے ہاتھ میں میں ہاتھ نہیں دے سکتا ۔۔۔ داد دیتا ہوں مگر ساتھ نہیں دے سکتا

خدا کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ پھر جو رنگ چاہو اختیار کرو۔ لیکن حالت یہ ہے ؎

مسلماں تو وہ ہی جو ہے مسلمان علم باری میں ۔۔۔ کروروں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری میں

پرسوں سے نزلے میں مبتلا ہوں۔ دردِ سر اور اعضا شکنی ہے۔ آج پرتابگڈھ جانے کو تھا لیکن نہ جاسکونگا۔ جائے امن و فراغ اتبک نہیں ملی۔ دوسرا انہ کہے کہ آپ کو یہ کرنا چاہئے اُسکو ہمارے دل کی خبر نہیں۔ بس ہیں جو مناسب سمجھیں کریں۔ چیف سکرٹری صاحب نے اتوار کو ۱۱ بجے بلایا تھا۔ میں اچھا نہ تھا۔ نزلے کی آمد تھی، اعضا شکنی تھی۔ خیر ۱۱ بجے پہنچا ۔ ۳۰ منٹ تک بیٹھا رہا لیکن ملاقات نہ ہوئی۔ کوئی یوروپین آگیا تھا۔ میری طبیعت زیادہ نادرست ہوئی۔ دردِ سر بڑھگیا۔ بالآخر چلا آیا۔ معذرت لکھ بھیجی۔ اب اگر وہ خفا ہوں تو ظلم ہے۔

الحمدللہ کہ آپ نے ترجمہ قرآن مجید کا خیال ترک کیا مجھکو تعجب تھا اُسکا ترجمہ بھی کا مناسب ہے ؎

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۴ار نومبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ اعتکاف میں ہونگے۔ اللہ تعالیٰ اطمینان دل زیادہ کرے قوت باطنی بڑھائے۔ غیر ضروری مباحث و مکروحات دنیا سے محفوظ رکھے۔ حاسدوں کے شر سے بچائے۔ خفقان کی کمی اور عاقبت بخیر ہونے کی دعا کا آپ سے بھی طالب ہوں حضرت اقبال کے خیالات میں بہت تبدیلی ہوئی یا کم سے کم اُس کا اظہار ہوا۔ اب اُن کو اچھی اور منضبط مربوط سوسائٹی مل جائیگی۔ آپکی فرمائش کلیات ابھی بلوائی۔ عشرت اسرکے ہیں آئیں تو کہوں۔ ہمارے سمدھی صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی شیخ علی حسین خانصاحب آپکے بڑے مشتاقوں میں ہیں۔ سلام کہتے ہیں۔ خیر بانو خواجہ بانو کو دعا سب عزیزوں کو سلام پیام

اکبر ۔ پرتاب گڈھ ۔ ۱۷ ر نومبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ پرسوں شب پرتاب گڈھ سے واپس آیا۔ عقیل سلمہ نے اپنی کتابی ابیات کی آپ کو بھیجدی ہے۔ رسید سے مطلع فرمائیے گا۔

زمانہ بہت پرآشوب ہے۔ قومی حالت نہیں رہی۔ صرف شخصی حالت ہے۔ اکثر صاحبوں نے پوچھا کہ محرم نامے کی جیسا کہ وہ ہے کیا ضرورت تھی۔ میں یہی کہہ سکا کہ شخصی حالتوں کی اصلاح سے کیوں کوئی روکا جائے۔ خیال ہے کہ طعن و بدگمانی سے محفوظ رہیں۔ جب اپنا اقتدار تھا تو اسکی چنداں پروا نہ تھی۔ اقبال صاحب نے تو مجھکو خط میں لکھا ہے کہ مسئلہ امامت کو انہوں نے مان لیا۔ لیکن یہ نہیں اقرار کیا کہ میں شیعہ ہو گیا۔ خانہ ساز عقائد سے دوسرا مذہب تو قائم ہو نہیں سکتا شغل زندگی سمجھیے۔

ظریفانہ مضمون کا کیا مضائقہ ہے۔ مجکو اکثر یہ وہم ہوتا ہے کہ ہماری سرکار تو ترددات میں ہے اور ہم کو دل لگی سوجھی ہے۔

آپ کا چلہ انشاء اللہ ۱۵ ر دسمبر کو ختم ہوگا۔ کاش اس وقت یہ کہہ سکوں ؎

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب   کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد

اپنا حال کیا لکھوں لا الٰہ الا اللہ اور خفقان ہسٹری پر نظر کرنے کی نہ فرصت نہ ضرورت شیعہ سنی کو حلوا پلاؤ مبارک۔ ہم کھا ہی نہیں سکتے ہضم ہی نہیں ہوتا۔ زندگی سے مجبور ہوں ؎

ہوا جو متنفس قطرہ بن گئی دم پر   حباب نے بھی خودی کا مزا اٹھا ہی لیا

آپ معذور ہیں دوسروں کی قائم مقامی بھی کرنی ہے۔ علاوہ بریں ؎

ترکیب و نیل کے خیالات کو دھوکا پایا   غور جب ہم نے کیا سانس کو دنیا پایا

اکبر ۔ الہ آباد ۔ ۲۳ ر نومبر ۱۹۱۶ء

پیارے خواجہ صاحب۔ زمانہ اختلافات میں مبتلا ہے۔ تکلیف ہو جانا یہ بھی ایک آزمائش تھی ہیں نے جو جواب دیا ہے اس سے شعر بھی ضرورت کم ہی ہیں۔ اس وقت شیعہ و سنی کے یہ الفاظ بالکل بے معنی ہیں۔ عملی پہلو کے لحاظ سے صرف دھاگے کا رکھ رکھاؤ سوشل مجبوری سے ہو رہا ہے۔ بیگم صاحبہ کی پسند کا اثر ہے دن ادا آپ کی شخصیت اور دنیاوی شہرت کے دن۔ اگر کبھی آپ سے ملاقات مقدر ہے تو میرے خیالات اس باب میں سنیئے گا۔ میرے دادا شیعہ تھے۔ پردادا کی خبر نہیں۔ نانا اثنا عشری سپاہی تھے۔ اب تو میں یہ کہتا ہوں کہ ؎

شیعہ کہ مجھ سے کچھ بھی خوف و خطر نہیں ہے | وہ ہو علی تو باشد بندہ عمر نہیں ہے

اور بہت سے باریک نکتے سنیئے گا۔ جی نہیں چاہتا کہ لکھوں میں اعتراض کرنے میں بہت رکتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میری حالت نہایت ہی غیر معمولی ہے۔ فطرت کے اقتضا سے دنیا کیوں نہ متاثر ہو۔ خدا کرے آپ کا مالی فائدہ ہو۔ آپ چمکیں۔ بڑی خوشی کا باعث ہوگا۔ آپ خدا کو مقدم رکھیں گے یعنی اللہ کو تو اکبر کو کیوں چھوڑنے لگے۔ جو اصل کار دین ہے وہ نقطہ وحدت فقط اِک "ہو" مذاہب کو بہت جانچا بس اپنے منھ میاں مٹھو۔ منشی جی کے ہاں صاحب فرمائش کو دریافت کرونگا۔

محترم نامہ اسرار خودی تک نہیں پہنچا۔ مگر ہے قابل داد۔ اچھا ہے اقبال کا کچھ جواب ہو جائے۔ ماجد صاحب لکھتے ہیں۔ آپ کانفرنس میں آئینگے کیا پیچ ہے؟

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۰ نومبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ نہ خیال فرمائیے گا کہ آپ سے بدگمان ہوا ہوں۔ صرف یہ اندیشہ ہوا کہ لوگ بددل نہ ہوں۔ بلاشبہ ضرورت سے مجبوری ہے۔ جی ہاں زمانہ پن ہی کا تو روگ ہے اسی سبب سے فطرت آج تک الگ رہی اور ضروری کام آپ ہی کی جماعت سے لیئے اور لے رہی ہے۔ آپ کو کفر سے مقابلہ اور ان کا صرف آپ سے مقابلہ یہی خیال

ہے کہ اولاد کو اس مذاق سے بچائیں ورنہ آرام اور حلاوت تو آدھ ہمت ہے۔ تقدس کی تو حد ہی نہیں۔ لیکن زبانی باتیں ہیں۔ وہ اخلاق کہاں سے

زبانی ہی باتیں ہیں لفظوں میں گم ہو — اجی بھائی صاحب جو سمجھیں وہ کم ہو

میں نہیں جانتا انقلاب زمانہ آگے چلکر کیا رنگ دکھائے۔ اس وقت تو صبر و استقامت مناسب ہے۔

یہ فرمایئے اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ رفیق صاحب کے صاحبزادے کی شادی دہلی میں ۲۰ دسمبر کو ہے۔ نوید کا رقعہ آیا ہے۔ لکھدیا کہ بشرط امکان شریک ہونگا۔

ابھی آپ کو ایک کارڈ آپ کے کارڈ کے جواب میں لکھ چکا ہوں۔ بعد ازاں کاغذوں میں یہ خط نظر آیا اور یاد آیا کہ کل لکھا تھا لفافہ نہ تھا۔ روانگی ملتوی کر دی تھی۔ پھر بھول گیا لہذا بجنسہ روانہ کرتا ہوں۔ کیا آپ کو اجازت ملگئی یا قیاس اجازت کو جائز سمجھنے کا قرینہ ہے

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲ دسمبر ۱۹۱۶ء

میرے مکرم۔ یہ آپ نے کیا فرمایا کہ آپ کے پچھلے خط نے روک دیا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ یا آپ سے غلط نویسی ہوئی یا آپ سے غلط فہمی ہوئی۔ اگر ممکن ہو تو ضرور لکھنؤ تشریف لایئے۔ میرے لیے دسمبر کے آخر میں سفر قریباً ناممکن ہے جس کے معنی ہیں کہ سخت مشکل ہے۔ لیکن بشرط زندگی میں اسی مشکل پر غالب آنے کی کوشش کرونگا۔ مگر پہلے سے اطلاع ہو تاکہ محفوظ جلسے قیام کا انتظام کیا جائے۔ میں نے ہرگز نہیں لکھا کہ جانے دیجئے ملتوی کیجئے یعنی ارادہ تشریف آوری لکھنؤ۔ بشریت کو بڑی حسرت۔ والا فقرہ نہایت بلیغ ہے۔ آپ کا حصہ ہے۔ برا عدم میں کیا اور آپکی یہ حسرت علی اتحاد کا اقتضاء ہے مجھکو بھی ہے۔ لیکن سمجھ لیا ہے کہ میری بہتری کسے یہ آپریشن ہو رہا ہے۔ میں کانفرنس میں ہرگز شریک نہ ہوسکونگا آپ ہی سے ملنا مقصود ہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲ دسمبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ۔ اس وقت خیال آیا کہ لکھنؤ آنے میں آپ کو زحمت ہوگی کیونکہ شرکت کانفرنس کا تو کوئی عملی شوق آپکو ہوگا نہیں البتہ میرا ملنا۔ وہ حسب مسرت طبع اطمینان کے ساتھ شاید نہو۔ ایک یہ بات ہوگی کہ لکھنؤ میں موجود ہوتے ہوئے کانفرنس میں شریک نہ ہونگا نہ ہو سکوں گا۔ ع

معذرت ست استعراض حیثیت

اگر آپ کو یہ خیالات ہوں تو ایسی حالت میں کہ آپکو جواب صریح گورنمنٹ یوپی سے نہیں ملا کیوں وہاں جاتے میں دہلی آنے کے لیے صرف وقت کا منتظر ہوں۔

اکبر حسین الہ آباد۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۶ء

اس سلسلہ میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی۔ اے مصنف فلسفہ جذبات کا خط بھی درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو حسن نظامی کے نام آیا تاکہ حضرت اکبر کے خطوط کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ وہو ہذا

مکرمی۔ آج میں اس قابل ہوگیا کہ برن صاحب سے ملسکا۔ پہلے میں نے خود اُن سے اردو کانفرنس میں شرکت کی خواہش کی اور وعدہ لے لیا۔ پھر میں نے آپ کا ذکر کیا۔ کہا کہ میں اُن سے شخصاً تو نہیں واقف۔ لیکن ان تحریروں سے خوب واقف ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اگر وہ اردو کانفرنس میں شریک ہونے یہاں آئیں تو آپ کی گورنمنٹ کو اعتراض تو نہ ہوگا۔ کہا کہ اس کا میں کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتا۔ اس کا جواب خود اُنہی کا طرزِ عمل دے سکتا ہے۔ اگر اُن کا طرزِ عمل وہی رہا جو بعض گزشتہ مواقع پر رہا ہے تو گورنمنٹ بھی مجبور ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ میں اُن کے گزشتہ طرزِ عمل کی بابت تو اس وقت کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ لیکن آیندہ کی بابت البتہ کہہ سکتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ وہ یہاں خالص اردو کانفرنس کی شرکت کے لیے آئیں گے۔ کانگرس و لیگ کے جلسہ میں بھی غالباً نہ جائیں۔ کہنے لگے کہ ہاں مجھے زیادہ تر اُن کی شرکت کانگرس ہی سے ہے۔ اس کے پنڈال میں جاکر وہ اپنے قابو میں نہ رہیں گے۔ میں نے اسکی بھی تردید کی۔ اس پر کہا کہ اگر ایسا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اُردو کانفرنس تو بہت ہی بے ضرر چیز ہے۔ اسمیں تو شی آسکتے ہیں بلکہ مجھ سے مل بھی سکتے ہیں۔ مسٹر محمد علی و ابوالکلام کا بھی ذکر کرتے رہے۔ میں نے کہا اُنکی

تمثیل صحیح نہیں۔

یہ سمجھنا خلاف ہے میری زبان کی گفتگو [illegible]

سے زیادہ ہے کہ یہاں کا اثر ان سے الگ [illegible]

[illegible]

پیارے خواجہ صاحب۔ اللہ کے حفظ و امان میں رہیئے۔ ماجد میاں لکھتے ہیں کہ ارادہ ہے کہ برن صاحب سے ملکر آپ کے باب میں تحریک کریں۔ میں بہت سے خیال کرتا تھا اور آپکو لکھنا بھول جاتا تھا کہ ممکن ہے کہ برن صاحب کی نسبت اس باب میں سدِ راہ ہو۔ ہز آنر سے کام نہ چلیگا۔ برن کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔ وہ منائے جائیں۔ اُن کی حاکمی مانی جائے کہا جائے کہ آپ لٹریری آدمیوں کے مربی ہیں۔ ہمت افزا ہیں، فارسی اُردو کو آپ پر فخر ہے جو لغزش طوفانِ غلط فہمی میں مجھ سے ہوگئی اس سے قطع نظر فرمائیے۔ میرا ابھی بہت نقصان ہو رہا ہے۔ اور میرے وابستگانِ دامن کا بھی۔

میں خود سب کچھ کرتا۔ لیکن خود آلودگی پاک نہیں۔ غلط قیاس کر لیا گیا کہ معاملہ مسجد میں آپ کا مشیر تھا۔ مجھکو اندیشہ رہا کہ مبادا میری تحریک سے کہیں اُنکے کان اور نہ کھڑے ہوں؎

چو رستم پدر باشد و من پسر　　　بگیتی نماند دگر نامور

اچھا ہوا کہ ماجد میاں نے یہ خیال پیدا کیا۔ میں نہیں جانتا کیا اثر ہوگا۔ خدا اثر دے بات تو کچھ نہیں۔ آپ بھی ایک عرضی برن کو بھیجدیں تو کیا حرج ہے "آنریبل آر برن" R. Burn I.C.S چیف سکریٹری گورنمنٹ یوپی لکھنؤ۔ اُردو ہی میں ہو۔ صاف ہو۔

میں اس بات سے خوش ہوا کہ ماجد میاں کے دل نے بھی آپ کی خانقاہ میں پناہ پائی ہے جو دن گزریں غنیمت ہے۔ استقامت تو اللہ کی بڑی نعمت ہے جسکو نصیب ہو۔ ہمارا تو یہ حال ہے

دل جو صدمے بہت اُٹھاتا تھا　　　ایک رنگ آتا ایک جاتا تھا

اپنی بیاض میں یہ ایک شعر پاتا ہوں ؎

ٹھیک ہی مصرع کا مضموں قافیہ گو سخت ہے — اہل دل نالاں ہو جس سے وہ بڑا کمبخت ہے

اکبر۔ الہ آباد۔ ۴ر دسمبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ماجد میاں نے بڑا کام کیا۔ برن صاحب سے آپ کے لکھنؤ آنے کی اجازت حاصل کر لی۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ برن صاحب سے ملیں گے۔ برن صاحب نے کہا کہ میں تصوف کو پسند کرتا ہوں۔

اب آپ کا لکھنؤ جانا نہایت ضروری ہے۔ خدا نے چاہا تو راہیں کھل جائینگی۔ میں اگر آیا تو بعد ختم کانفرنس آؤں گا۔ لیکن اس سردی میں سفر سے زیادہ آرام بحالتِ قیام دشوار معلوم ہوتا ہے۔ مرا حال یہ ہے جہاں تک دنیاوی زندگی کو تعلق ہے ؎

جان مُردہ ہے بدن افسردہ ہے مانند خاک

میں رہا ہوں گا کبھی لیکن اب اپنی قبر ہوں

آپ کا خیر طلب۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۶ر دسمبر ۱۹۱۶ء

مکرمی دام الطافہ۔ ماجد میاں نے مجھکو کچھ زیادہ لکھا تھا۔ بہرکیف جو آپ کو لکھا اس کا نوٹس لیجئے۔ باقی سے بےخبری کیجیئے اور اس مضمون کو خود مبین ہو جانے دیجئے۔ برن صاحب ہی سے ملنے کے لیئے لکھنؤ آنا ضروری ہے ؎

ببینم کہ تا کردگار جہاں — دریں آشکارا چہ دارد نہاں

اگر برن صاحب آپ سے بےتکلف ملیں تو آپ مجسٹریٹ الہ آباد کے نام چٹھی مانگ سکتے ہیں۔ میرا ذکر کر سکتے ہیں کہ بوجہ مذاقِ تصوف کے میری اُن کی ملاقات تھی اور میں اُن کا مہمان ہوا تھا۔ لیکن ۲ سال سے انہوں نے بہ خیال بدگمانی گورنمنٹ جائز نہیں رکھا کہ میں اُن کا مہمان

آپ کی شکایت ہے کہ وہ دو سطریں مجھ کو لکھتے ہیں۔ لیکن یہ باتیں موقع پر منحصر ہیں اور اپنے دل کی اُمنگ پر۔ آپ عام طور پر کسی اعلان بے تعلقی کی استدعا کر سکتے ہیں یا تخصیص۔ لیکن تصوف ہی کو لیجئے اور یہی بات۔ جو وہ کہتے ہیں کہ غلط فہمی ہوئی۔ دباو پڑا۔ ایک جوش طبیعت کا اظہار ہو گیا۔ سلطنت گورنمنٹ کے تو آپ قطعی مخالف رہے ہیں۔ اور اب تو یہ کہنا چاہیئے کہ پالیٹکس سے ہم کو سروکار نہیں۔ تمام بنی آدم کی محبت کا سبق دینا ہمارا کام ہے۔ فساد کے خلاف رہنا ہم پر واجب ہے۔

میں اپنی حالت اور اپنے خیالات کیا کہوں۔ آپ نے کبھی لکھا تھا کہ ایک بڑی قوت کا خیال آنے لگتا ہے اور ہمیشہ روک دیتی ہے۔ میں نے آپ کو بہت داد دی تھی۔ یہ تو آپ کی فطرت ہی ہے اور ایسا ہونا چاہیئے۔

اللہ میرے گناہوں کو معاف فرمائے اور میری ہرزہ سرائی کے نقصانات سے مجھکو محفوظ رکھے۔ میں تو اپنی ہی حالت اور عقائد اور عادات کو اس امر کا سخت مانع پاتا ہوں کہ بت پرستی میں کامیابی حاصل کروں۔ پھر امراض اور ناتوانی اور دنیا سے مایوسی اور بے تعلقی نے اور بھی افسردہ و بے پروا کر کے مجھ کو مخبوط سا کر دیا ہے۔ آپ کو اس کہنے کا حق ہے کہ اگر آپ مخبوط ہیں تو مجھ کو مجنوں ہونا چاہیے۔ لیکن لیلائے وقت کے تعلقات کے لحاظ سے آپکا مجنون ہونا شاید فطرت کو بھی پسند نہیں۔ ہم کیا جانیں کس بات پر اس وقت خوش ہونا چاہیے۔ اللہ سے دعا ہے جو ہمارے حق میں بہتر ہو وہ کرے۔

میں آپ سے ملنے کے لیئے لکھنؤ کا ارادہ کرنیوالا ہوں انتظام قیام کے لیئے لکھا ہے بہتر ہے کہ ۱۹ یا ۲۰ دسمبر تک پہنچ جائیے۔ پھر دیکھیئے اللہ کیا کرتا ہے۔ بعد کانفرنس تو سرگرمی اور بھی سوا ہو جائیگی اگر آسکا تو پہلے ہی قصد کرونگا۔ ہمدم میں چڑے چڑیا کا مضمون عرش دلکشی پر پر پرواز مار رہا ہے۔ میں نے کہا میں ایسا کیوں نہیں لکھ سکتا مختصر مگر معنی خیز جواب ملا کہ تم حسن نظامی نہیں ہو۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۷ر دسمبر ۱۹۱۶ء

ڈیر خواجہ صاحب۔ آفتاب احمد خاں صاحب کو میں نے ابھی جواب لکھا ہے۔
"یاد آوری کا شکر گزار ہوں۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے صیغہ اُردو کی صدر نشینی عزت کی بات
ہے لیکن میں بہ سبب اپنے امراض لاحقہ کے شرکت سے معذور ہوں۔
خواجہ حسن نظامی صاحب کو گورنمنٹ نے بہت خوشی سے لکھنو اُردو کانفرنس میں شرکت
کی اجازت دی ہے" شرائط صلحنامہ یہ ہیں کہ دولت خانقاہی پالٹکس میں دخل نہ دے
تصوف کے شغل کو فروغ دیں۔
یہ فقرہ جس پر خط کھینچ دیا ہے اُن کو نہیں لکھا۔ اس خط میں قلم سے نکل گیا ہے۔
"آپ فرمائیں تو میں خواجہ صاحب کو لکھوں" کیا حرج ہے میں نے ایسا لکھدیا۔
آپ کے وہاں سے کیسے تعلقات ہیں اور کیا خیالات ہیں؟

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۹ر دسمبر ۱۹۱۵ء

میرے پیارے خواجہ صاحب۔ سہ پہر کے خط میں میں نے لکھا کہ اگر آپ ایسی اصلاح
نہ حاصل کر سکیں جس میں میری آزادی بلحاظ میری موجودہ حالت کے شامل ہو تو آپ الہ آباد
نہ آئیے۔ اُسوقت میرے حافظہ نے اس بات کو پیش نہ کیا کہ قبل اس کے جب تازگی غم فراق
نے شوق کو بہت تیز کر دیا تھا آپ نے یہ تجویز کی تھی کہ میں ہوٹل میں ٹھہروں گا۔
اس تجویز پر اسی سبب سے عمل نہ ہوا کہ شاید بدگمان آنکھیں وہاں بھی زحمت میں پھنسائیں
لیکن غالباً اتنی اصلاح تو اب ضروری ہو جائیگی کہ احتیاط کو اسقدر وسیع کرنے کی ضرورت
نہ ہو۔ خیر اللہ کے بھروسہ پر برن صاحب سے مل تو لیجیئے" ناشدہ راشدہ مشمر" فارسی میں
کسی حکیم کا مقولہ ہے۔ یعنی جبتک کوئی بات نہ ہولے یہ نہ سمجھو کہ ہو گئی۔ جب برن صاحب سے
ملاقات ہو جائے تب کہیے کہ ملاقات ہوئی۔ لیکن انشاء اللہ ضرور ملاقات ہو جائے گی
میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ غالباً اصلاح حالت میں اسی سبب سے توقف ہوا کہ برن صاحب سے

استدعا نہیں کی گئی۔

میں تو مشورہ دوں گا کہ الہ آباد میں بھی کلکٹر صاحب سے ملیے۔ ممکن ہو کہ میں اس باب میں خود اُن کو لکھوں۔ کیونکہ میں آپ کا ذکر سال گزشتہ میں کلکٹر صاحب سے کر چکا ہوں۔ اتنی مدت سے میں اُن سے نہیں ملا۔ مل ہی نہیں سکا۔ دل ہی نہ اُبھرا۔ طبیعت ہی صحیح نہیں۔ بہر حال شرط یہ ہے کہ برن صاحب آپ کو علانیہ اجازت تشریف آوری الہ آباد کی دیدیں۔ ممانعت تو اب بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ امر ناصاف ہے۔ اگر نہ میں لکھنؤ آؤں نہ آپ الہ آباد آئیں (امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہونے دے۔) تو یہ تو ٹھہرا ہی چکا ہوں کہ بشرط زندگی و درستی حواس دہلی آؤں۔ آیندہ جو اللہ کی مرضی۔

حور بانو کو دعا۔ خواجہ بانو اب کیسی ہیں اُن کو بھی دعا۔ جملہ یاران طریقت کو سلام شوق۔ نواب سید محمد خاں آف کلکتہ انتقال کر گئے ابھی تار آیا۔ نہایت افسوس ہوا۔ میرے بڑے دوست اور قدردان تھے ؎ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۳ر دسمبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے تو برن کو خود لکھا تھا۔ کیا چٹھی نہیں گئی یا اُس کا جواب نہیں آیا۔ بہرکیف لکھنؤ کی تحریر کے منتظر رہیے۔ معلوم نہیں چیف کمشنر صاحب آپ کو کیوں بلا رہے ہیں۔ خیر جو ذریعہ ہو۔ بڑی نعمت ہے کہ آپ پر سوشل ملاقاتوں کا دروازہ بلا تکلف کھل جاتے اور کھلا رہے۔ افسوس مجھ کو یہ موقع نہیں کہ اپنی صفائی کروں۔ لیکن ایسا ہوتا بھی تو کیا ہوتا۔ اور ہو بھی تو کیا ہو۔ بلکہ ان واقعات سے میری کاہلی اور آرام طلبی کو بڑی مدد ملی ہے۔

معلوم نہیں اُردو کانفرنس کی کون تاریخ ہے ؎ نیاز مند اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۴ر دسمبر ۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں اکثر اس خیال میں رہتا ہوں کہ آپ مجھکو زیادہ پسند کرتے ہیں یا میں آپ کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا مجھکو آپ سے زیادہ محبت ہے

آپکو میری مفارقت زیادہ ناگوار ہے یا مجھکو آپ کی مفارقت زیادہ ناگوار ہے۔ مگر کبھی فیصلہ نہیں کر سکتا اور فیصلہ نہ کر سکنے پر خوش ہوتا ہوں۔ مفارقت پر کیوں مجبوری ہوئی، کیوں ایسے اسباب پیش آئے نہایت پیچیدہ سوال ہے۔ آپ کا بڑا مالی اور دلی نقصان ہوا۔ میری تو زندگی ہی تلخ تر ہو گئی اور پبلک کا روحانی اور لٹریری نقصان ہوا۔ لیکن کچھ بھی شک نہیں کہ جو کچھ ہوا انجام کار ہم کو بہتری کی امید کرنی چاہیئے۔ مصائب بڑے معالج ہیں۔ علاج میں پرہیز بھی ہے آپریشن بھی۔ صوم میں بڑا تنقیہ جسمانی ہے۔ ارمانوں اور آرزوؤں کے پورا نہ ہونے میں بڑا تنقیہ روحانی ہے۔ مقصود اللہ ہے۔ بیقراری کا اللہ اللہ شوق کے اللہ اللہ سے قریب تر کر سکتا ہے۔ اگر نظر ہو اور قسمت اچھی ہو۔

سی پارۂ دل پہنچا۔ آپ کے جوش دل اور رنگ سخن میں آیات آلہی کا مشاہدہ ہوا کہیں کہیں دیکھا۔ بتدریج وبہ اوقاتِ مختلف کل دیکھوں گا۔ عبدالحق صاحب نے بھی خوب لکھا ہے۔ واحدی صاحب نے بھی، عبدالحق صاحب کا دماغ ہے، واحدی صاحب کا دل۔ میں نے بھی جا بجا اُس کو اپنا آئینہ پایا۔ روحانی اتحاد کا اثر ہے۔ اللہ یارانِ طریقت کو خوش رکھے استقامت بخشے، ایک دوسرے کے لیئے دعا کرتے رہیں۔ تصوف خوب چیز ہے۔ گورنمنٹ اس کی پاکیزگی اور نیک خیالی سے آگاہ ہو تو آپ کی مدد کرے۔ انشاء اللہ اطمینان ہو جانے پر ایسا ہو گا۔ مستقبل قریب ہی سے مجھکو بھی امید عافیت ہے۔ خیر نواب صاحب سے بھی ذکر کر دیا تھا ؎

واعظا ہم بھی سمجھتے ہیں خدا ہے کوئی اور　　دل لگی کے لیئے اک بت بھی لگا رکھا ہے

لکھنؤ کے لیڈر ایک اخبار نکالا چاہتے ہیں، اُس کا نام "ہمدم" ہو گا اور جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر ہوں گے۔ مسٹر شاہد حسین جو شریک غالب ہیں وہ ہمارے نواب سمدھی صاحب کے بہت عزیز دوست ہیں۔

نواب صاحب نے میری پیر باعی جو پہلے کی کہی ہوئی ہے بہت پسند کی اور اُن کو

مشورہ دیا کہ اس کو اپنے اخبار کا مستقل عنوان قرار دیں ؎

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو
حامی نہ کسی خراب سازش کے رہو

قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر
لائل سبجکٹ تھم ابن کے رہو

دیکھیے وہ اس مشورے پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں جس بالاخانہ پر مقیم ہوں اسکے عقب میں مطبع ہمدم کے لیے مکان لیا گیا ہے مجھے تو کسی قدر وحشت ہے، بدگمانیوں کا زور ہے دہلی تو غالباً ابھی نہ آؤں۔ الہ آباد ہی چلا جاؤں گا۔ عشرت کو خط لکھا ہے۔ اُن کا یا آپکی تحریر کا منتظر ہوں۔ وہی شعر صادق آتا ہے ؎

اضطرابم نہ گذارد کہ نشینم جائے
انتظارت نہ گذارد کہ زجا برخیزم

دیکھیے کبتک جینا ہے اور کن حالات میں۔ بہرحال الیہ راجعون کا سہارا ہے ؛

اکبر حسین۔ لکھنؤ۔ امین آباد نمبر ۲۴، ۱۵ ستمبر ۱۶ء

مکرمی سلمہٗ۔ میں نے عشرت سے کہا کہ کیا خوب ہو کہ برن صاحب کو حامی پیٹرن بناکر خواجہ صاحب فلسفہ تصوف کو ہند میں پھیلادیں اور ایک جماعت مدد کو اُٹھ کھڑی ہو۔ انگریزی مصنفوں کے خیالات بھی بذریعہ ترجمہ پیش ہوں۔ اُنھوں نے کہا کہ برن صاحب سے ملنے سے پہلے خواجہ صاحب آپ سے ملتے تو باتیں ہوتیں۔ میں نے کہا اب تو موقع نظر نہیں آتا۔ خیر دیکھا جائیگا ؛ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میری پہلی تحریروں میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ مجکو یقین نہ تھا اور اسی سبب سے تمام امور میں تذبذب تھا اگرچہ ماجد صاحب نے لکھ دیا تھا لیکن دل پیشگی خوشی سے رکتا تھا۔ وہی بات پیش آئی۔ میری افسردگی بھی تازہ ہوئی، وہ بھی مجلس انبساط طبع برہم ہوگئی۔ آپ کچھ زیادہ اندوہناک نہ ہوں۔ بلحاظ وقت یہ پولٹیکل ادا ضروری سمجھی گئی ہے جسقدر

آزادی حاصل ہے اسکو نہایت غنیمت سمجھیے اور اللہ کا بہر حال شکر کیجیے۔ زمانہ کروٹ لے ہی گا
آپ طریق راست پر رہیے اپنی حد کو نگاہ رکھیے نقصانات پر صبر کرتے رہیے۔ اللہ فضل کریگا۔
ع کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست۔ آپ نے خوب لکھا کہ مخمصۂ اعتکاف زندگی سے خدا
نجات دے۔ زندگی تو وقت ہی پر ختم ہوگی۔ لیکن یہ خیال حوادث اور آلام کا مقابلہ کرنیکے
لیئے نہایت موثر ہے۔ آج صبح میں نے ایک مطلع کہا تھا۔

فلسفۂ غم کا جسے معلوم ہے ۔۔۔ وہ مبارک وہ اگر مغموم ہے

اصلاح نفس اور دنیا شناسی کے لیئے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے۔ خیر اس باب
میں تو میں لکھتا ہی رہوں گا۔

اب میری رائے یہ ہے کہ آپ لکھنؤ تشریف نہ لائیں اور برن صاحب کو ایک چٹھی
اس مضمون کی لکھ بھیجیں۔

میں نہایت شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے لکھنؤ میں شرکت اُردو کانفرنس کی اجازت
عطا فرمائی۔ لیکن میری بڑی آرزو اور خواہش یہ تھی کہ آپ سے ملنے کی عزت حاصل کروں
افسوس ہے کہ اس وقت بہ سبب آپ کی عدیم الفرصتی کے میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی
لہذا میں نے اُردو کانفرنس کی شرکت کا خیال ترک کر دیا۔ پولیٹیکل کانفرنس سے مجھکو کوئی تعلق
اور ہمدردی نہیں ہے۔ مجھکو اپنی غلط فہمی کا بیحد افسوس ہے جس کے سبب سے میری نسبت
کچھ بدگمانی پیدا ہوئی۔ اُمید ہے کہ آپ کی مہربانی سے کبھی میری یہ مشکل آسان ہو جائے۔
آپ نے دیکھا ہوگا۔ گورنمنٹ نے صدر نشینان تشکیل کانگرس کے نام کیسے تہدیدی
احکام جاری کیئے ہیں۔ حزم و احتیاط گورنمنٹ پر فرض ہے۔

الحمد للہ کہ آپ کا اعتکاف ختم ہوا۔ انشاء اللہ اس کے فوائد دیکھیے گا۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۰ ر دسمبر ۱۹۱۶ء

مکرمی۔ آپ کا خط پہنچا۔ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ لکھنؤ میں شرکت کانفرنس کو ملتوی کیجیئے۔ میں نے بھی ماجد صاحب کو لکھا ہے کہ برن نے وعدہ خلافی کیوں کی مجکو رات ایک شبہ ہوا کہ شاید خود آپ کے چیف کمشنر صاحب دہلی گورنمنٹ یوپی سے آپ کی ملاقات کے حارج ہیں۔ لاٹ صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا اور نہ ملے۔ برن نے ماجد میاں سے وعدہ کیا کچھ معذرت کر دی۔ شاید یہ لوگ چیف کمشنر کو کچھ لکھتے ہوں۔ اور وہ کچھ خلاف مشورت دیتے ہوں۔ لیکن محض ایک وہم ہے۔ اگر آپ اس وہم میں شریک ہو سکیں تو چیف کمشنر سے کہیے کہ برن صاحب سے ملا چاہتا ہوں لٹر آف انٹروڈکشن دیجیے۔ دیکھیے کیا کہتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ برن ایام کانفرنس میں بہت عدیم الفرصت رہیں گے۔ امید تو ہے کہ جب مطلع صاف ہو اور آپ لکھنؤ میں حاضر ہوں تو برن سے ملاقات ہو۔ اور نہ بھی ہو تو اجازت الہ آباد وغیرہ کی مل جائے۔ اور کلکٹر الہ آباد کو اطلاع اجازت دے دی جائے۔ اتنا ہی سہی۔ اگر یہ اجازت مل جائے اور آزادی ملاقات ملازمان و متوسلان سرکاری ملجائے تو ان بڑے حکام سے آپ کا نہ ملنا آپ کے حق میں زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے۔ بہ نسبت ملنے کے۔ لیکن اللہ کی جو مرضی ہے وہ پوری ہوگی۔ اس کا فضل طلب کرتے رہیے۔ میں خود اپنے لیئے ان ملاقاتوں کو سخت زنجیر خیال پاتا ہوں۔ حوادثات نے مجبور کیا پھر بھی چھوڑے بیٹھا ہوں لیکن یہ سچ ہے کہ مجکو دنیا سے تعلق کم ہے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء

مولانا عبدالماجد صاحب کا خط حسن نظامی کے نام آیا جو یہ ہے۔ حسن نظامی نے یہ خط حضرت اکبر کو بھیجا اس کے اوپر حضرت نے یہ عبارت لکھی جو اس خط کے بعد درج ہے:۔

میں اس طرف دو تین بار برن صاحب کے پاس گیا۔ مگر ہمیشہ معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے باہر

گئے ہوئے ہیں۔ آج خدا خدا کر کے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُردو کانفرنس کا دعوتی کارڈ دیا۔ چند منٹ تک اسکے متعلق گفتگو رہی۔ اس کے بعد خود ہی آپ کا ذکر کیا کہ ان کا خط میرے نام آیا تھا، میں نے پوچھا کہ پھر ان سے کسی روز ملاقات کیجیے گا۔ کہا کہ "میں ان سے نہیں مل سکتا میں نے اس کی اطلاع انہیں دی ہے"۔ میں نے کہا کہ "آپ نے تو اُس روز منظور فرمایا تھا، شاید درمیان میں"..... میرا یہ جملہ ناتمام تھا کہ وہ کھڑے ہو کر مجھ سے ہاتھ ملا کر بولے "افسوس ہے اس مسئلہ پر کسی بحث کے لیئے میں مطلق وقت نہیں رکھتا"۔

ظاہر ہے کہ اس کے بعد میرے لیئے گنجائش ہی کیا تھی؟ واپس آیا تو آپ کا کارڈ ملا۔ میری جو کچھ فیلنگ ہوئی ہوگی اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں چلتے وقت حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ میں آنکے لکھنؤ آنے کی ممانعت نہیں کرتا۔ اب دیکھیئے کب ملاقات ہوتی ہے۔ والتسلیم۔

ماجد۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ۔ ۲۱ دسمبر ۲۶ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ میرے خطوط پہنچے ہونگے۔ اُن کے مضامین کو پیش نظر رکھیے سفر اور ملاقات کی آزادی کی کوشش چاہیئے، برن صاحب بغیر ملے یہ آزادی دیدیں یا دلا دیں تو مطلب حاصل ہے اُن کا ملنا کچھ ضروری نہیں۔ بلکہ حسب دلخواہ ملنے میں مشکلات کا سامنا بھی ہوتا۔ دنیا کا برتاؤ ضرور یاد رکھیے

خدا شناس تو ہونا نہیں ہے سہل اکبر یہی بہت ہے جو دنیا شناس ہو جاؤں

میرے خیال میں برن صاحب یا کوئی گورنمنٹ صاحب آپ کو ضرر پہنچانے یا آپ کی تحقیر کا ارادہ نہیں رکھتے۔ آپ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش۔ نیاز نامجات اور عنایت نامجات سے کام نکلجائے تو کافی ہے۔ آخر اجازت لکھنؤ مل گئی۔ وقت خود بڑا مصلح ہے۔ لیکن اس وقت وقت خود ہیجان میں ہے۔ جب اپنے آپ کو سمیٹے گا تو آپ ایسے دل والوں کو بے ٹھکانے نہ چھوڑے گا۔ میں اپنی حالت دکھا کر آپ کو کیا تسکین دوں، آپ فرمائینگے تم دنیا ختم کر چکے

ضرورت ہی کیا ہے۔ بہرحال آج صبح بستر پر یہ دو شعر اپنے حسب حال موزوں کیے تھے ؎

نہیں ہے جنبش کی ان میں قوت جو گفتگو کو کھڑے ہوئے ہیں
بندھے ہوئے انکے ہاتھ دیکھیں ہیں پاؤں ان کے کٹے ہوئے ہیں
معاف رکھیں ہمیں خدارا اُنہی کو ہو لیڈری مبارک
ہم ایک گوشے میں اپنے اچھے دبے دبائے پڑے ہوئے ہیں

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۱۶ء

ڈیر خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالی۔ آپ نے علی گڑھ میں دعوت شرکت ایجوکیشنل کانفرنس منظور فرمائی بہت اچھا کیا مسلمانوں کو اخلاقی اور روحانی تعلیم کی بہت ضرورت ہے اور اس باب میں آپ سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ میں اگر اس قابل ہوتا تو میں بھی ضرور شریک ہوتا۔

سید اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۶ء

مکرمی دام لطفہٗ۔ اعتکاف مخصصہ کو میں زندگی کی طرف اشارہ سمجھکر جواب میں کچھ فقرے لکھ گیا۔ یہ غلطی ہوئی۔ آپ کا مقصود موجودہ کشمکش رد و قبول سے تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اُردو کانفرنس میں شریک ہونے اور لکھنؤ آنے کی اجازت ہی کامیابی ہے۔ وسعت آزادی سے اُمید ہے کہ کانگرسی موسم گزرنے پر آپ کو الہ آباد آنے کی اجازت بھی مل جائے کہ دوستوں سے ملنا ہے۔ کسی کی عیادت کرنا ہے۔ اگر یہ آزادی ہو جائے تو سکریٹری صاحب سے ملنا ملنا کوئی امر وقیع نہیں ہے۔ آپ نے ماجد صاحب کو مطلع کر دیا ہوگا۔ مدت سے مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کا خط نہیں آیا امید ہے کہ سب خیریت ہو۔

نیاز مند اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۱۶ء

ڈیر خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ وعدہ کا ایفا ضرور تھا، ورنہ خستہ ہو رہا ہوں۔ لکھنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ پانچ بجے صبح کا اُٹھنا۔ حوائج سے فارغ ہونا اس موسم میں میرے لیئے ایک عجیب بات ہے، عشرت کا بنگلہ جنگل میں ہے، چاروں طرف کھیت ہیں، شدید سردی تھی۔ میں قیام نہ کر سکا سات بجے عشرت نے موٹر پر اسٹیشن پہنچایا۔ ہوا کا سامنا تھا، میں بھی کمل میں گٹھری بن گیا۔ ۱۰ بجے الہ آباد پہنچا۔ زندگی ہے تو بسنت میں اب ہوش آئیگا کہ میں کون ہوں کہاں ہوں۔ علی گڑھ کا حال سُنا۔ آپ کے جانے میں مصلحت تھی۔ اچھا ہوا آپ ہوآئے آپ نے فراغ خاطر سے اپنے گھر میں بی بی بچوں کے ساتھ کھانا کھایا اور اسکی قدر کی۔ مجکو اپنے دو شعر یاد آئے۔ معذرت کے موقع پر زبان پر آئے تھے ؎

نہیں ہے جنبش کی ان میں قوت جو گفتگو کو کھڑے ہوئے ہیں
بندھے ہوئے انکے ہاتھ دیکھیں پاؤں اُن کے گڑے ہوئے ہیں
معاف رکھیں ہمیں خدارا انہیں کو ہو انجمن مبارک
ہم ایک گوشے میں اپنے اچھے دبے دبائے پڑے ہوئے ہیں

اگرچہ آپ کا یہ وقت نہیں ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ کوئی راہ اسطرف ملے کہ تو قاضی مشو چیزے دیگر شو، بہرحال اللہ کے فضل کا طالب رہنا چاہیئے۔ آیندہ وقت مناسب پر بعض آزادی دیکھیئےگا پھر خط لکھوں گا۔ اب نماز عصر کو اٹھتا ہوں ؛

اکبر حسین ۔ الہ آباد ۔ یکم جنوری ۱۹۱۷ء

پیارے خواجہ صاحب۔ خدا کے حفظ و امان میں رہیئے۔ شاید ایک ہفتہ سے آپکا خط نہیں آیا۔ طبیعت کو تعلق ہے۔ آپکے چند مضامین نظر سے گزرے اور سب پسند آئے۔ ازانجملہ موت کی گھڑی۔ جس سے معلوم ہوا کہ خود آپ کو اس کا کیسا خیال ہے۔ موت کی نسبت بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مجھ پر ایسے حالات گزر رہے ہیں کہ نہ صرف افسردگی بڑھتی ہے بلکہ اطمینان میں خلل

ہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ بہرکیف اللہ کا کرم چاہیے۔ راجہ صاحب کا خط آیا بمبئی میں ہیں معلوم نہیں کراۃ الکاتبین کی نگرانی بدستور ہے یا اس میں کچھ کمی بیشی ہے ۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۵ر جنوری ۱۹۱۷ء

(حسن نظامی کے خسر کے نام)

برادرم سلمہ اللہ۔ کتاب میلاد شریف کا شکر گزار اور ان تمام مسلسل عطیات کا قرضدار ہوں لیکن اسوقت آپ سے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہتا کہ حور کے ابا کی خیریت لکھیے۔ پندرہ بیس دن سے اُن کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔ میں خود اوروں کی بیجا بدگمانیوں یا کبر و نخوت کے سبب سے سخت متردد و افسردہ ہوں۔ بہرحال اُن کی خیریت لکھیے۔ لڑکوں کو دعا کہیے میرے لیے بھی دعا کیجیے کہ اللہ اطمینان دل عطا فرمائے۔ تردد خود یہ سبق دیا کرتا ہے کہ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً اور دنیا کے تعلق کے خیال سے ناتوانی محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال فضل الٰہی چاہیے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۶ر جنوری ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ برن صاحب کو لکھا تھا کہ آپ سے ملوں گا۔ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۶ء گیارہ بجے انھوں نے مقرر کی ۔ میں گیا ۔ ۳ منٹ بیٹھا رہا۔ ٹکٹ بھیجدیا تھا۔ کوئی یورپین مل رہا تھا خدا کی مرضی مجھکو تبخیر کا دورہ لاحق ہوا۔ طبیعت ہاتھ سے جاتی رہی۔ چلا آیا۔ سہ پہر کو معذرت لکھ بھیجی اور لکھا کہ پھر حاضر ہوں گا۔ امید تھی کہ ہمدردی کا جواب آئیگا۔ لیکن کچھ جواب نہ ملا۔ خفقان و اوہام پیدا ہوئے۔ اب تو طبیعت کو سکون ہوگیا ہے طبیعت کو سمجھا لیا ہے، سالہا سال سے میں عزلت گزیں تھا۔ دو سال ہوئے بعض واقعات نے اور عزیزوں کے تقاضے نے مجبور کیا تھا کہ پھر اظہار نیاز کے لیے اٹھوں ورنہ اس ناتوانی، ان امراض، اس زخم خوردہ دل اور بے تعلقی کے ساتھ یہ درد سر کہاں۔ انھی باتوں کی طرف خطوط سابق میں اشارہ تھا

خانگی تردوات کا دفتر نو الگ ہے۔ امید ہے کہ آپ اچھے ہوں، رفع انتظار کو یہ خط لکھدیا۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۱۷ء

آپ کی تحریروں کی دھوم ہے مبارک ہو، میں دیکھتا ہوں کہ پچھلے دنوں آپکی علمی معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے لیکن یہ تو تجارت کا گدام ہے۔ عقلمند آدمی بڑھتا ہی رہیگا اس قابلیت کو آپ کی خواجگی سے تعلق نہیں۔ بہت لوگ مسٹری کا پیپا بنے ہوئے ہیں برگیڈ میں کون پوچھتا ہے۔ ہاں تحریر کا بانکپن یہ ندوے یا یونیورسٹی سے نہیں آیا مسجد سے بھی نہیں دل سے نکلا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپکو اردو زبان آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ آپکو اللہ میاں آتے ہیں۔ وہی پر تو ہے بہر حال اسی سے کو لگائے رہیئے۔ دنیا کے دن اور اسکی قید میں کے دن ؟

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۲ر جنوری ۱۹۱۷ء

مکرمی زاد لطفہ۔ کتاب پہنچی۔ ابھی پیکٹ کھولا بھی نہیں۔ لڑکی کے مرنے کا نہایت افسوس ہوا۔ افیون بہانہ اجل تھی۔ کیا مراد پرچہ نہیں پہنچا جس پر میں نے چند بے تکلفانہ ریمارک کیئے تھے اور لکھا تھا کہ کتاب بھیجدیجئے۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ اسکے پہنچنے پر آپنے کتاب بھیجی۔

آپ سے اپنا حال کیا کہوں۔ یہ تو خوب ہے کہ ہر حال ہر دم داخل ماضی ہوتا جاتا ہے۔ لیکن اس کے سوا کہ خدا کے فضل کا امیدوار ہوں اور کوئی حال ایسا نہیں کہ اس کو مستقبل میں بھی چاہوں۔ اس سے مقصود تشویش حالت ہے۔ حالت طبعی تو بہر حال قابل شکر ہے ۵۔ ۷ روز میں پرتاب گڈھ جانیکا ارادہ ہے۔ ع بہے جاتے ہیں بے مقصود بحر زندگانی میں

جینا برا نہیں ہے لیکن اللہ جینے میں دل لگا دے ؎

خودی کے حس سے بھی ہوتا ہی انتشار اکبر
کہاں رہوں کہ مجھے بھی مرا پتا نہ چلے

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۴ر جنوری ۱۹۱۷ء

پیارے خواجہ صاحب۔ سلامت رہیئے۔ کرشن بیتی کے شروع کے چند اوراق پڑھے اور وہ اشعار آپ کو لکھ بھیجے۔ میں نے اڈیکن میں اپنے والد ماجد صاحب قدس اللہ سرہ سے جناب کرشن کا جو ذکر سنا تھا۔ اُس نے مجھکو آمادہ کر دیا تھا کہ اس مجلس میں آپ کا جام قبول کروں۔ مذہبی اور فقہی خیال سے بالکل الگ ہو کر صرف عارفانہ رنگ اور بہار آفرینش پر نظر تھی۔ آپ کی تحریر کا کیا پوچھنا۔ دلی کی زبان چشت کا دل حسن کی ذات جو کچھ بھی ہو تھوڑا ہے۔ میں خدا جانے کس عالم بیخبری میں رہتا ہوں۔ حواس کی مجبوری یا دنیا کی مروت سے مکالمت و مراسلت تفصیلی میں کبھی مشغول ہوتا ہوں۔ نہ جزئیات کا علم نہ اُدھر توجہ کی ضرورت نہ تفصیل کا دماغ ؎

اس بزم میں کیا آثار ملے ہنگامِ سحر سامانوں کے اک داغ تھا شمعِ مردہ کا کچھ پر تھے پڑے پروانوں کے
ہستی کی یہ لہریں دام نظر دم بھر میں نشاں انکا نہ اثر گردابِ فنا میں غرق ہیں سب بابیں ان افسانوں کے

اب میں ہسٹری میں پہنچا ختم کر دوں تو خیال کوئی پہلو پیدا کرے۔ لیکن آپ کی مدح کو اسی سے محدود و مخصوص کرنا بوجوہ چند مناسب نہیں سمجھتا۔ یہاں تک لکھا تھا کہ اُکتا گیا۔ اب پھر کبھی ؛

آپ کا مشتاق۔ آپ کا بہی خواہ۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۹، جنوری ۱۷ء

(صفراوی) دست آرہے ہیں، دوران سر ہے۔ بھاگن کی آمد ہے۔ وحشت انگیز ہوا چل رہی ہے، بدن میں خون کہاں، یاد گذشتہ ہے اور حسرت و عبرت کا جوش۔ دوا بن رہی ہے یعنی بادیان اور الائچی کا سفوف۔ محرم نامے پر آپ کی تحریر دیکھی اطمینان ہوا کہ ذہن کو مشغولی کیلئے کافی مواد مہیا ہے۔ اچھے مخاطب موجود ہیں۔ پھر خط لکھوں گا۔ بہ شرط زندگی ؛

مشتاق لقا و طالب وفا۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۲، فروری ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ سخت پرہیز و احتیاط ہے۔ رات سے قبض شدید ہے لیکن اس وقت

کسی قدر حواس صاف ہیں۔ آپ کی کتاب خوب ہے۔ شریفانہ خیالات رسم و مذہب کے مطابق ہیں۔ زبان بہت شستہ و صاف۔ البتہ کتاب کے نام میں مجکو تامل ہوا۔ لڑکیوں کی تعلیم کیجاتی ہے۔ بیوی کی تعلیم کا موقع عام نہیں ہے۔ عورتوں کی تعلیم بھی معنی خیز ہے۔ بیوی سے مکالمت بھی صحیح ہے۔ یہ کتاب دراصل بیوی سے مکالمت ہے۔ لیکن اسوقت کا فیشن دیکھکر زیادہ معترض بھی نہ ہونا چاہیے۔ خدا ملائے تو کیا کچھ نہیں کہنا۔ قلم سے کیا کام لوں۔ گورنمنٹ کی نظر میں کیا ہوں دنیا کی نظر میں کیا ہوں، اپنی نظر میں کیا ہوں، فطرت کو ہم سے کیا تعلق ہے، خدا کے نزدیک کیا ہوں، اپنا حال کیا کہوں ایک گم شدگی کی حالت میں ہوں ؎

یہ کارڈ لکھ چکا تھا کہ آپکا کارڈ پہنچا۔ موجب تقویت دل ہوا۔ زندہ باش ؎

خاکسار اکبر۔ الہ آباد۔ ۲ر فروری ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ تار علی الصباح پہنچا۔ رات بھر درد سر سے سخت بیچینی تھی۔ گلاب بادیان کا استعمال ہے۔ احتباس ریاح اور تبخیر۔ بس یہی ہے لیکن میرے لیے مصیبت ہے ادھر ابر و باد اور ترشح کا سلسلہ ہے یہ اور بھی معین مرض ہے۔ میری یہ شکایت پرانی ہے۔ بدن میں صفراے محترقہ موجود ہے۔ گذشتہ دو سال سے جو اوہام اور خلاف مزاج باتیں پریشان کررہی ہیں۔ اُن کا بھی اثر ہے۔ بہر حال امید تو ہے کہ بشرط زندگی طبیعت پھر بحال ہوجائے۔ اور زندگی کا کورس پورا کرے۔ آپ کی توجہ کا شکر گزار ہوں۔ انشاء اللہ جیتے ہیں تو ل ہی جائینگے اور دل کا رُخ مرکز کی طرف ٹھیک ہے تو ملے ہی ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں میں نے یہ اشعار کبھی آپ کو لکھے یا نہیں ؎

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے — یعنی جینا ہے اور مرنا ہے

اب رہی بحث رنج و راحت کی — یہ فقط وقت کا گزرنا ہے

سب سے بدتر توں سے ہے اُمید — سب سے بہتر خدا سے ڈرنا ہے

اُمید ہے کہ آپ کے گھر میں سب خیریت ہو۔ پھر خط لکھوں گا انشاءاللہ
مجھے اپنا یہ مطلع اکثر یاد آتا ہے۔ اور اُسکے معنی پر غور کرتا ہوں ؎

اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا
مگر محل نہیں ساقی سے بدگمانی کا

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۴ ر فروری ۱۹۱۷ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ آپ کا کارڈ نہیں ملا۔ آپ کا اظہار محبت صدمہ مفارقت کو بڑھاتا ہے
یہ نیے پانچ نظریں جو لکھی ہیں واہ لینے کا چنداں خیال نہیں۔ بلکہ بعض کے نہ معلوم ہونے سے
عمل میں بڑی دشواری ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ سب کچھ خدا کی مرضی کے تحت میں ہے۔ خدا
آپکی مشکلات آسان کرے اور مکروہات دنیا کا مقابلہ کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ میں تو اب
دنیا سے اتنا ہی طلبگار ہوں کہ اطمینان سے مرنے دے ؎ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
اللہ اپنا فضل کرے، حور بانو اور خواجہ بانو کو دعائیں :

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۵ ر فروری ۱۹۱۷ء

بیوی کی تعلیم۔ تائٹل پیج کی عبارت نے اُس خدشے کو قریباً بالکل رفع کر دیا۔ قوت
انشا کی داد قبول فرمائیے : اکبر الہ آباد۔ ۷ ر فروری ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ لاٹ صاحب کے منشی جی سے مدتیں گزریں ملاقات نہیں ہوئی
لیکن ۲۴ رجنوری کو اُنہوں نے تھوڑا سا مچھلی کا قورمہ بھیجدیا تھا۔ غالباً کہیں سے آیا ہوگا۔ میں
نے تھوڑا سا کھایا۔ رات کو طبیعت صاف نہ تھی، ایک گولی چورن کی کھالی۔ تغیر فصل منتظر تھا جگر
نے اپنے کام میں قصور کیا، صفراوی دست آنے لگے۔ دو دن بعد قبض شدید ہوگیا۔ سر میں
وہ شدید چکر کہ الامان۔ راتیں مصیبت سے کٹیں، ابتک نجات نہیں ملی۔ آج چودہ

گھٹنوں کی بیچینی کے بعد پرہیزی غذا ہوئی ہے۔ سب سے زیادہ دوران سر سے تکلیف ہوتی ہے۔ پھر اعضا میں بھی تشنج ہوتا ہے، امید ہے کہ ہفتے عشرے میں طبیعت اور موسم سے ارتباط ہو جائے۔ اسی سبب سے اب تک پرتاب گڈھ نہ جاسکا۔ آپ کی حال کی تصنیفوں میں ہلانا سب سے زیادہ مجکو پسند آیا، اگرچہ اُس کو بھی کل نہیں دیکھ سکا۔ کہاں تک پڑھوں۔ پریس کے دریا اُمڈے رہتے ہیں، آپ کام کی باتیں کرتے ہیں، خدمت ملت یہی ہے، ٹھیک راہ ہے اور ضرورت بھی ہے، میں نے جو کچھ سیکھا ہے نہایت کم ہے، لیکن اگر اُسی کم کے ایک جزو قلیل پر بھی عمل کروں تو کیا سے کیا ہو جاؤں، لیکن نہیں ہو سکتا۔ کیا کروں ناتواں بہت ہوں۔ دل ٹھکانے نہیں۔ جگہ اطمینان کی نہیں، اللہ فضل کرے سب کو سلام دعا۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۲ر فروری ۱۹۱۷ء

مکرمی! خوب کتابیں ہیں۔ قبر کے کتبوں کا آخر صفحہ بہت پسند آیا لیکن دل بھر آیا۔ آپ کی طبیعت آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت ہے۔ خدا بلند تر کرے۔

آپ سے ملنے کا آرزو مند، خستہ و ناتوان اکبر، ۷ر مارچ ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ الحمد للہ و بحمد اللہ کہ باوجود مصائب روحانی اور ایذائے جسمانی کے اور قیود دلشکنی ذوق لقائے یاران طریقت دل میں پاتا ہوں۔ آپ کی خیریت مدت سے معلوم نہیں ہوئی۔ میں سخت مجبوری سے اور ایک خاص ضرورت کے سبب سے پرتاب گڈھ سے بریاواں اور وہاں سے لکھنؤ پہنچا۔ دو چار دن میں انشاء اللہ پرتاب گڈھ کا قصد ہے۔ گرمی کی آمد غالباً مجبور کرے کہ پھر الہ آباد چلا جاؤں۔

اکبر حسین۔ امین آباد نمبر ۱۰۸
۲۳ر مارچ ۱۹۱۷ء

کیا لڑکے کا نام امراللہ حسین نظامی رکھا گیا یا امیر اللہ حسین نظامی۔ خیر جو نام ہو،
اللہ مبارک کرے، زندگی عطا فرمائے۔

میں نے ذرا فکر کی تو انوار الٰہی نظامی ایک نام ذہن میں آیا۔ انوار اللہ میں یائے
نسبتی لگی ہوئی ہے۔ بہر حال یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ ۱۳۳۵ھ اس سے نکلتے ہیں۔ گویا تاریخ
ولادت ہے، اگر میرا حساب صحیح ہو:۔ اکبر۔ امین آباد لکھنؤ یکم اپریل ۱۹۱۷ء

مکرمی! اسلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں انشاء اللہ کل صبح الٰہ آباد جاتا ہوں۔ وہاں سے مفصل خط
لکھوں گا۔ اس وقت دفتر ہی دو تین کتابوں کی جلد باندھ لایا۔ دیکھا تو آپ کے جدید رسالے
تھے۔ خوش ہوا کہ عشرت یہ کتابیں پڑھتے ہیں۔ اگرچہ کم فرصت ہے۔
نیاز مند اکبر حسین۔ پرتاب گڈھ۔ ۸ر اپریل ۱۷ء

خدا اس گھر کو قائم رکھے، آباد رکھے جہاں میری فکر رکھنے والے ہیں۔ یہاں تو میرا کوئی
گھر ہی نہیں ہے۔ طبیعت اچھی نہیں رہتی۔ ارادہ کرتا رہا لیکن خط نہ لکھ سکا۔ اس وقت نوٹ پیپر
نہ ملا۔ کل یا پرسوں انشاء اللہ نیاز نامہ لکھوں گا۔ مجموعۂ خطوط کا دیباچہ دیکھکر مصرعہ کہا۔ ع

زمانہ مجھ کو گھٹا رہا ہے اور آپ مجکو بڑھا رہے ہیں

بچے کی خیریت آپ نے نہ لکھی، امید ہے کہ اچھا ہو

اکبر۔ الٰہ آباد۔ یکم مئی ۱۹۱۷ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ خط لکھنے کا وعدہ کیا تھا، نہ لکھ سکا، لیکن کلک اندیشہ صفحۂ خاطر پر
ہر وقت آپکو خط لکھا کرتا ہے۔ حرارت موسم کے ساتھ تحیر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اس کا باعث
یا روز افزوں ضعف ہے یا مجموعۂ خاطر کا انتشار۔ بہر حال اللہ سے اچھی امید ہے۔ شاید آپ کو

لکھ چکا ہوں کہ لکھنؤ میں برن صاحب سے اچھی طرح مل لیا۔ بنجبر اور اُس کے لغت پر آپ کا نام بھی آگیا تھا۔ ماجد میاں باندے گئے ہوئے تھے اُن سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہوا۔ الحمد للہ کہ آپ کی تصنیفیں مقبول اور فائدہ رساں ہیں۔ خواتین کو دعا۔ خدام کو سلام۔

لڑکے کی خیریت لکھیے ؛ خاکسار۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۳ مئی ۱۷ ۱۹ء

مکرمی دام مجدکم۔ سواد نظام الدین سے برکت حاصل کرنے اور خواجہ نظامی کمپنی کے مہمان بننے کا شوق اس قدر اور ایسا عالی رتبہ ہے کہ وہ لفظوں کے تحت میں آکر معرض بیان میں آنا پسند نہیں کرتا۔ اسی سبب سے میرے خط اس سے خالی ہوتے ہیں۔

ایک دن کا آنا کیا! مجھ سے ملنا جسکی رجسٹری غالباً لازمی ہوگی۔ اگرچہ دلی مراد ہے لیکن تکلف ضرور ہوگا۔ یا تو ایک سال اور صبر کیجیے۔ امید ہے کہ مطلع کچھ صاف ہو۔ بدگمانیاں کم ہوجائیں یا پہلے سے مجکو اطلاع دیجیے۔ مجسٹریٹ صاحب کو مطلع کر رکھوں۔ میں کچھ نہیں جانتا کہ معاملات کہاں ہیں۔ خیالات کا کیا رخ ہے۔ گوشہ عزلت و بیخبری میں رہتا ہوں، صرف قیاس کرلیا ہے کہ آسمان وہی ہے۔ رات ہے یا دن ہے، اللہ جانے۔

میں ٹکٹ بھیجکر ہیجان تیخیر کے سبب سے چیف سکریٹری صاحب کے آستانہ حال سے بلا انتظار حصول شرف حضوری واپس چلا آیا تھا۔ خیال تھا کہ شاید اس مجبوری کی کچھ غلط تعبیر ہو ع کبر سمجھے ہیں ناتوانی کو۔ یہی خدشہ رفع کرنا تھا۔ وہ رفع ہوگیا۔ اور کوئی بات نہیں ہوئی۔ پیر خود درماندہ تا بہ شفاعتِ دیگراں چہ رسد۔ اور شفاعت ہو بھی تو خود حضرت اعلیٰ سے گفتگو ہونی چاہیئے ؎

وعدے بھی یاد دلاتے ہیں گلے بھی ہیں بہت
وہ دکھائی بھی تو دیں اُن سے ملاقات تو ہو

صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کی کوشش چاہیئے۔ اللہ فضل ہی کریگا۔ اور مجکو اس حال سے بھی مدد ملتی ہے کہ دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے اِلاّ متاع۔

طبیعت اچھی نہیں رہتی، ہمہ تن تنخیر سوداوی ہوا جاتا ہوں ۔ ؎

اظہارِ عقل میں ہیں احباب گرمِ کوشش
اور مجھکو فکر یہ ہے اپنا جنوں چھپاؤں

خواجہ بانو صاحبہ کو تسلیم اور داد قابلیت ، حور بانو کو دعا اور شوق عبادت پر مرحبا ۔ انوار الٰہی نظامی کو پیار ۔ راجہ صاحب نے نظم میں تاریخ خوب فرمائی ؛

خاکسار ۔ اکبر ۔ الہ آباد ۔ ۸ ۔ مئی ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ مجموعۂ خطوط کی تمہید میں آپ نے جو کچھ میری نسبت تحریر فرمایا صحیح ہو یا غلط یا مبالغہ آمیز بہرکیف باعث افسوس ہوا ۔ افسوس اس بات کا کہ ایسے محب سے مل نہیں سکتا ۔ اور زمانہ فراق بڑھتا جاتا ہے ، کم تو موت کا انتظار ہے ۔ یہ کتاب کب شائع ہوگی سب کو اس سے تعلق ہے اور میں تو اس کا مشتاق ہوں ۔ معلوم نہیں سفر الہ آباد کی نسبت آپ نے کیا فیصلہ کیا ۔ امید ہے کہ گھر میں سب اچھے ہوں ؛

نیازمند ۔ اکبر حسین ۔ الہ آباد ۔ ۱۴ ۔ مئی ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ آپ نے الہ آباد آنے کے باب میں کیا فیصلہ کیا ۔ سید عشرت حسین کی سالی کی شادی تھی ۔ کل وہ پریاواں سے واپس آئے اور پرتاب گڈھ گئے ۔ آپ کی خیریت پوچھتے تھے ۔ میں نے اپنا ایک تو تصنیف مطلع انکو سنایا ۔ انہوں نے نہایت پسند کیا ۔ آپ کو بھی لکھتا ہوں ۔ دیکھیے کہ الفاظ سے کچھ معنی پیدا ہوتے ہیں یا نہیں ؎

زباں سے دل میں صوفی ہی خدا کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

انوار الٰہی نظامی[1] کی خیریت لکھیے ؛

اکبر حسین ۔ الہ آباد ۔ ۱۷ ۔ مئی ۱۹۱۷ء

---

[1] حسن نظامی کے بڑے لڑکے حسین کا نام یہی نام "انوار الٰہی نظامی" رکھا تھا ۔ ۱۲

پہلا مصرعہ میں نے بدل دیا ہے

تصوف ہی زباں سے دلیں حق کا نام لایا ہو یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

آپ سے کبھی ملنا ہوا تو مفصل گفتگو ہوگی۔ افسوس ہے کہ بعض حضرات بلا غور و فکر تصوف پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ وہ جان مذاہب ہے اور دشمن شرک گویا عملی توحید ہے۔

ا۔ ح۔ الہ آباد۔ ۱۸ مئی ۱۹۱۷ء

ڈیر خواجہ صاحب۔ آپ نے اچھا کیا، ارادہ سفر ملتوی کر دیا۔ موسم بھی اچھا نہیں، کم ٹوموٹ ضروری چیز ہے۔ آپ کو کلیات کا حصہ اول تو ملگیا تھا۔ پھر کیوں آپ نے اس کے نہ ملنے پر افسوس ظاہر کیا ہے۔ شاید آپ کا مقصود تیسرے حصہ سے ہو جواب تک نہیں چھپا۔ زندگی کا حظ تو مجھے نہیں رہا۔ البتہ موت کا طالب اس سبب سے نہیں ہوتا کہ یہ طلب ممنوع ہے، اور وہ خود آرہی ہے۔ میں کیا بلاؤں ؎

بڑھا تا جاتا ہے ضعف اپنا زور آہستہ آہستہ لیئے جاتی ہے پیری سوئے گور آہستہ آہستہ

کم ٹوموٹ کے تیسرے یا چوتھے صفحے کے حاشیے پر میں نے اپنا یہ مطلع لکھدیا ؎

آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں ہوش آئیگا انہیں موت کی بیہوشی میں

انوار الٰہی نظامی آسمان کو دیکھتا ہے، یہ بات دلیل صحت ہے، بچے کی جان کو اس نظارے سے انبساط ہوتا ہے۔ اسکو خدا ہی کی سپردگی میں سمجھیے

ابن عربی کو دعا پہنچے۔ اب وہ کیا پڑھتے ہیں۔ کیا یہ موقع اور امید ہے کہ وہ ایک بڑے عالم ہو جائیں۔ آپکے گھر میں اسکی ضرورت ہے۔ میں ان روزوں رفقا اور ملازمین کی کمی سے دقت میں ہوں۔ سلیمان بیمار ہے۔ منشی جی گھر گئے ہیں۔ جگوا چلا گیا تجارت شروع کی۔ ابن عربی اپنے سلام پر مستحق انعام ہیں۔ اب ان کی کیا عمر ہے۔

میں حاذق الملک صاحب کو لکھوں گا کہ خواجہ صاحب نے آپ کا اوبیہ کیا اگرچہ موت

کی طرف بلاتے ہیں۔ لیکن حکیم صاحب کی اجازت ضروری ہے۔ معلوم نہیں کوئی شخص دہلی جائے تو آپ سے بلا وقت ملسکتا ہے یا نہیں:۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۰۔ مئی ۱۹۱۷ء

جناب خواجہ صاحب! خدا کے حفظ و امان میں رہیے۔ میں خط کیا لکھوں خط ہی مجکو لکھا کرتا ہے۔ یعنی یہ سوچا کرتا ہوں کہ خط میں یہ لکھوں وہ لکھوں۔ سونچ ہی میں سمجتا ہوں ؎

حال دل میں سُنا نہیں سکتا　　لفظ معنی کو پا نہیں سکتا

اپنی خیریت لکھیے نظامی دوربین کی خیریت لکھیے۔ آپ سمجھے وہی بچہ[1] جسکی نظر آسمان پر رہتی ہے۔ یہ دو ایک قطعہ موزوں ہوگیا۔ سامعین نے بہت پسند کیا۔ شاید آپکو بھی چوتھے مصرعہ پر لطف آئے ؎

جو پائے راز حسن ازل سے کہے کوئی　　سُن صوت سرمدی کو کلام مبیں کو دیکھ

ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ　　معنی یہ ہیں کسی کو نہ دیکھ اور ہمیں کو دیکھ

اکبر۔ الہ آباد۔ ۸ جون ۱۹۱۷ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ آپ نے خوب کیا، دواخانہ کھولا۔ فریدالدین عطار کی یاد آگئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے اس طرف آپ کو متوجہ کیا۔

آپ نے بورڈنگ کی سکونت کی مضرتیں خوب دکھائیں۔ نہایت صحیح خیالات ہیں۔ میں اسکے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ لیکن اللہ ہی فضل کرے۔

نید صا اور سلیمان میرے پاس ہیں۔ دونوں میں کبھی جھگڑا ہو جاتا ہے۔ میں نے سمجھا دیا ہے

---

[1] حسن نظامی کا بڑا لڑکا حسین شیر خوار تھا تو ہر وقت آسمان کو دیکھا کرتا تھا۔ عورتوں کو وہم ہوا میں نے حضرت کو لکھا۔ اس کا اشارہ ہے۔ اسی کو نظامی دوربین فرمایا ہے۔ ۱۲

آپ بھی لکھ بھیجیے کہ باہم محبت رکھیں۔ نیدھا خود کہتی تھی کہ یہ میرا پیر بھائی ہے میں اس سے محبت رکھتی ہوں۔ دیگر ملازمان احاطہ عشرت میاں کی لسٹ میں داخل ہیں۔ لیکن بالفعل صرف خیراتی خانساماں ہے۔ چوکیدار اور مالی کی تلاش ہے۔ میں اُس خانگی معاملے کی ناصفائی کے سبب سے بالکل غیر مطمئن حالت میں ہوں، جو کچھ آرام اختیار میں ہے وہ بھی یہاں حاصل نہیں کر سکتا۔ کیا مصلحتِ پروردگار ہے۔ آپ کس مقام پر روکے گئے کہ اگر نہ روکے جاتے تو دو قدم آگے، ظاہراً ہٹ کچھ تھا لیکن سب ارادے، ولولے، نیازمندیاں، عقیدتیں، لٹریری اُمنگیں پست ہو کر مرجھا کر رہ گئیں۔ میں باوجود وسائلِ عظیمہ کے بسترِ راحت و اطمینان پر پاؤں نہیں پھیلا سکتا۔ ایک خار پیرہن کھٹک رہا ہے۔ لیکن الحمدللہ آپ کی بنیادیں قائم ہیں اور مجھکو بھی امید کا سہارا ہے۔ جو کچھ ہو سب وہم و تماشا ہے۔ اللہ صبر و سکون دے عاقبت بخیر کرے۔ میں نہیں سمجھا ہستی ہی کیا چیز ہے۔ اور پھر ہماری ہستی۔

مِرا دل دلی کی طرف کھنچ رہا ہے، خدا وہ وقت لائے۔ السلام علیکم و علیکم السلام

آپ سے زیادہ میرا ہمخیال و ہمرنگ شاید ہی کوئی ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ ہماری مشکلات اور درد سے آگاہ نہیں ہے، ضرور آگاہ ہے

لہٰذا ہم ان حالات پر ادب اور امید کے ساتھ نظر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زندگی ختم ہو گئی تو کیا حرج اس وقت بھی اُسکی عملداری میں رہیں گے، اور اگر ہم کا خاتمہ ہے تو غم کا بھی خاتمہ ہے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۵ ر جون ۱۹۱۷ء

خوب ہی اُردو میں لکھے جسنے حالات کرشن ‏ ‏ اس مصنف کو مگر دلی ہی پیدا کر سکی

وہ بگولا خاکِ خسرو ہی کے پہلو سے اُٹھا ‏ ‏ جس کی گردش طبع اکبر کو جنوں سے بھر سکی

یہ اُمنگ آخر نظام الدین سے اُٹھی کہ جو ‏ ‏ باسلیقہ ہاتھ سازِ عشق حق پر دھر سکی

پھر لکھوں گا اس وقت دست و دل دونوں بیکار ہیں، حور کو ذوقِ طاعت مبارک۔ خواجہ بانو

کو حسین کی ہمت مبارک، اور دونوں کو کرشن بیتی کا مصنف مبارک :۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۷ ۔ جون ۱۹۱۶ء

مکرمی زاد لطفہٗ۔ میرا کل کا خط بے انتہا مجمل ہے جو لکھنا تھا کچھ نہ لکھ سکا۔ بالکل بے نتیجہ ہے خیر دیکھا جائیگا۔ آپ کے دل و زبان کی داد تو دیدی۔

آج میں نے کرشن بیتی ختم کر دی۔ آپ کی تمہید و توجیہ بہت معقول اور پولیٹیکل ہے ہندو ظاہرا اُبھرتے جاتے ہیں۔ ہم کو یہاں رہنا ہے۔ اُن کے دیوتاؤں سے واقف ہو کر کیوں نہ اُن سے بیگانگی کم کریں۔ یہ پالسی اگلوں کی بھی رہی ہے۔ ہم لوگوں میں یہ وقت افتراق کا ہے۔ اتحاد کا نہیں ہے۔ ہو کیونکر مرکز ہی قائم ہونے نہیں پاتا۔ طاقت ہی نہیں۔ ہر صاحب دماغ و قلم مضمون آفرینی کر رہا ہے۔ خدا جانے کیا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تو اصلاحی علتیں سخت ہیجان میں آگئی ہیں۔ جو جیتا رہا اثرات کو دیکھے گا۔ گو ایک وقت ظاہرا سکون کا بھی آجائے۔ خیر یہ سب باتیں حدوث کی ہیں آپ تو دم بھر میں قدم میں پہنچکر سب کو غائب پاتے ہیں۔

کرشن جی کے زمانہ میں اخلاقی خوبیوں کا جو معیار تھا اگر وہ اُس میں کھرے اترتے تو کیوں ملک اُن کو دیوتا بنالیتا۔ معلوم نہیں کل ہندو اُن کو دیوتا مانتے ہیں یا کوئی گروہ خارج بھی ہے (آریوں کے سوا) گیتا برائے خود دلیل روشن ہے۔ کتاب بہت آب و تاب سے نکلی ہے مولوی صاحب تو اگر خاموش رہیں یہی بہت ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے بھی سری کرشن مہاراج کا ذکر خیر اسرار خودی میں کیا ہے۔ جناب امیر کی بھی بہت مدح کی ہے۔ سر علی امام صاحب کے نام معنون فرمایا ہے۔ وہ زیادہ پولیٹیکل ہے۔ آپ کے رنگ میں سادگی ہے۔ آمد ہے۔ اسرار خودی کی توضیح میں میں نے واحدی صاحب کو ایک مطلع لکھ بھیجا ہے۔

دو چار لفظ ہیں لیکن توضیح تو ہو گئی ہے

عشق میں کیوں بیخودی مقصود ہے (سوال)
حسن بے حد ہے خودی محدود ہے (جواب)

منکشف ہو جائیں اسرار خودی بیخودی کا بھی یہی دستور ہے

کل میں نے جس غزل کے دو شعر آپ کو لکھے ہیں اُس کے دو شعر اور لکھتا ہوں۔ دوسرا شعر آپ پر صادق آسکتا ہے اگر مصداق بننا چاہیے ؎

دل نفس کا تابع غفلت میں دنیا کی حقیقت کیا جانے
اُمید سے ہیں غریب اُمیدوں کے طوفاں ہیں یا ارمانوں کے
تھی عقل زباں پر اے اکبر اور عشق پہ رکھی ہم نے نظر
ممتاز ہے ہشیاروں میں سرخیل رہے دیوانوں کے

اکبر۔ الہ آباد۔ ۳۰ جون ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اُمید تو ہے مقبول ہو مگر ابھی آثار نے حوصلہ نہیں بڑھایا، اسی خیال سے دوسرے خط میں میں نے لکھا کہ میری مدح کو اسی کتاب سے محدود و مخصوص کیجئے۔ بہرکیف وہ اشعار صحیح ہیں، اچھا ہے خطیب میں چھپ جائیں یادگار رہیں۔ آپ نے ہندوؤں کے حق میں انصاف کرنے کی کوشش کی۔ ہندو لٹریچر مجبور ہوگا کہ اپنی لٹریری ہسٹری میں اس کا نوٹس لے۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ آپ نے تصوف کی دلاویز وسعت کا ثبوت دیا۔ جس کا حق آپ پر بہت کچھ ہے۔ حوصلہ بڑھنے کے تو مجھے بھی آثار نہیں دکھائی دیتے لیکن وقت کی خانہ پری ضرور ہے۔

مجھکو تو اسی شاعرانہ خیال میں مزا آتا ہے ؎

ہوں عرب میں تو اک بزن بھی ہی ہند میں ہوں تو اک بھجن بھی ہی

ہوم رول کی نسبت میں نے بیساختہ بہت اشعار کہے ہیں۔ اکثر بہت دلچسپ ہیں آپ نے خوب لکھا قلم اُٹھاؤں ہو مگر کس برتے پر، دوسرا جملہ نہایت بلیغ اور بامعنی ہے۔ آپ قلم کیوں اُٹھائیں انشٹر ہی اُٹھیگا اگر نہ اُٹھایا نہ اُٹھ سکا۔ تو خدا جانے کیا کچھ اُٹھیگا۔ تاہم یہ

لکھنا چاہتے تھے کہ اپنی باہمی اصلاح مقدم ہے

جو گائیوں کے سینگوں میں پٹ ڈور کھینچے — تو تعبیر اس کی ہو دکیں تم شیخ ہو دوست

مگر ان کا قول تو ہے یہ کہ — تو شیخ کو مکروہ قرار ان کو ہے دوست

ایک اور نظم ہے جس کی نقل مقصود تھی مگر اب ہمت نہیں ہے۔ لیکن اور بہت اشعار بہت زیادہ دلچسپ ہیں۔ شاید بھیج سکوں۔ اب تو لیٹا ہوں لیکن صاف کرنا اور عزیز کو بھیجنا اس درد سر کا تحمل مشکل ہوتا ہے

خاک کے ساتھ کیا ہی درد ہے — میں کی مٹی خراب ہوتی ہے

مشرق کی کمیٹی دیکھی ہے مغرب کی اجازت سن لی ہے
نیٹو کی فقط اک مشق ہے یہ صاحب کی فقط خوش طبعی ہے

پبلک میں وہ ملکی حس ہی نہیں آزاد کوئی مجلس ہی نہیں
وہ جہل و تعصب مذہب کا سینوں میں ہر اک سو مخفی ہے

اردو بھی یہاں ہے گائے بھی ہے لعنت بھی ہے اور آمین بھی ہے
کچھ صالح کل انساں ہوں بھی اگر تعداد ہی ان کی کتنی ہے

ہم کو تو یہ خطرہ رہتا ہے آپس ہی میں نہ چھڑ جائے کہیں
ہوتی بھی ہے اک تحریک بہت پوشیدہ اشارہ کافی ہے

ضد اور عداوت چھوڑ کے تم لو عقل سے کام اور مرد بنو
بے اس کے حکومت ہو اگر، کون اس کو کہیگا اچھی ہے

لفظوں کا تموج کچھ بھی نہیں اک کھیل ہے یہ اک نقل ہے یہ
بازو کی بھی طاقت شامل ہو اس وقت میں وہ با معنی ہے

نعمت ہے یہاں راحت کی گھڑی ہو امن کی برکت سب سے بڑی

نیچر بھی یہی ہے راضی ہے اللہ کی بھی منظوری ہے

جو قوتیں ہوا اس کو دور کرتے ہیں ۔ ہر بندہ تو علم نو کو کہتے ہیں

احساس ہمارا کیسا ہے، تعلیم ہماری کیسی ہے

جب قوم ہی نے نزول کی ہو ذہنی جو ہے تو بھول گئی ہو

اللہ کی مرضی جو کچھ ہو میں نے تو نصیحت کر دی ہے

اخلاق کی دیوی کہتی ہے یا لارڈ ہوں یا مولوی ہوں

سچے ہیں بہت اس وجہ سے کہتے ہیں جسے سلطانی ہے

اکبر ۔ الہ آباد ۔ ۳ جولائی ۱۹۱۷ء

مکرمی سلمہ۔ نیو ایرا جو لکھنؤ سے انگریزی میں نکلنا شروع ہوا ہے ۲۸ جولائی کا پرچہ حضرت اقبال نے میرے پاس بھجوا دیا ہے۔ اس میں اُن کا ایک آرٹیکل تصوف کے خلاف چھپا ہے۔ مگر میں نہیں جانتا وہ کون سا اسلامی مفہوم تصوف ہے جو انسان کو دنیا میں سعی سے روکتا ہے۔ بہرحال پڑھے لکھوں کا بیٹھانا شغل زندگی ہے۔ انسان کو ضرور مردانگی سے کام لینا چاہیے۔ لیکن کالج کی پروفیسری عرب کی مردانگی نہیں ہے جس کا وعظ کہا جاتا ہے۔ اعمال نیک اور تقوی میں مردانگی ہے۔ اقبال نے ٹھیک لکھا ہے کہ ایران نے مذاق عرب کو خراب کیا۔

اسی پرچہ میں ایک اور مضمون ہے جس کے لکھنے والے نے اپنا نام نہیں ظاہر کیا۔ اسکا عنوان ہے "صوفی" اس میں تمام تر آپ کی شکایات ہے۔ آپ نے ہوم رول کی جو مخالفت کی ہے اسی پر اعتراض ہے۔ آپ خوش ہونگے کہ آپ نے ایسی حالت پیدا کی کہ ضرورت اعتراض لوگوں نے محسوس کی۔ کیا آپ کے پاس یہ پرچہ پہنچا۔ اگر نہیں تو کیا آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ سب دل لگیاں ہیں وقت کٹا نا ہے۔ رنگی سالن میں ہم سب کا مشترک مذاق ہے۔ اللہ قائم رکھے۔ عاقبت بخیر کرے۔ وہ دن دور نہیں کوئی جانیگا بھی نہیں، کہاں خاک نظامی ہو، کہاں خاک اقبال کہاں

تمہارا خاکسار اکبر الہ آباد ... اگست ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں تو اس کو بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ کا آرام ہو جائے۔ اس میں میری غرض شامل ہے لیکن یہ آپ کا حق نہیں ... روحانی فائدہ ... زندگی ہے تو مجھ کو حلاوت نہ رہی۔ لیکن آپ ساتھ ہوں تو موت میں ایمان اور حلاوت کی امید ہے ... بیان سے باہر ہیں۔ قیامگاہ انتظام کی نسبت بہت کوشش ہو گئی ہے ... میری طبیعت قبض و درد سر کے سبب بہت پریشان ہے۔ موسم کا تقاضا ضرور ہے۔ لیکن آخر عمر کا تقاضا بھی انہی اسباب میں مستور ہوگا۔ اچھا ہے شملہ جائیے۔ پتہ لکھ دیجئے گا۔ آپ کیٹ گنج آتے تو یہاں یا وہاں آپ سے ملنا ہوتا۔ میں نہیں جانتا کہ آرزوئے ملاقات پر آپ نے مجھ کو کیا کرنا چاہئے۔ کل دہلی پہنچا اور وہیں گھر کھول دیتا۔ پھر لکھوں گا۔ سب کی خیریت جلد لکھیئے۔

خاکسار اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۱ اگست ۱۹۱۷ء

پیارے خواجہ صاحب۔ سات دن سے مسلسل درد سر ہے۔ سقوط اشتہا ہے کبھی دو چار گھنٹے تخفیف ہو جاتی ہے۔ موسم کا اثر ہے۔ ایسی حالات میں آلام اور دماغ کہن تازہ ہو جاتے ہیں۔ کیا کہوں کیا گزرتی ہے۔ اس مطلع سے تسکین ہوتی ہے؎

گو ہمنفس اپنے اٹھ گئے سب مساز ہماری آہ تو ہے
کوئی جو ہمارا رہ نہ گیا ایمان تو ہے اللہ تو ہے

میں آپ سے ملتا تو صوفی اور دین کانفرنس کی تجویز پیش کرتا۔ جب اللہ کا حکم ہوگا ملیں گے آپ کب شملے جائینگے۔ خواجہ حسین اب کیسے ہیں۔ خواجہ بانو اور حور بانو کو سلام و دعا۔ آپ کے دواخانے کا کیا حال ہے۔ ہمارے تو مومن سندھی صاحب کے بھتیجے میاں ولی حسین آپ کے مشتاق ہو گئے ہیں۔ ایک ضرورت سے یہاں آئے ہیں آپ سے تعارف مراسلت کے خواستگار

ہونے سے مجھ سے اپنے خطوط پڑھ لینے یعنی آگرہ والی آج ہے کبھی ڈاکٹر صاحب بھی آپکے معتقدوں میں ہیں اقبال صاحب بیرسٹر ... نے ہیں ان کا آ ... نہ کروں۔ لیکن ولی ذوق جاتا رہا شریعت سے کس کو انحراف ہے لیکن یہ رنگ کہاں کہ ت

حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است　　بر ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود

قرآن مجید نے بھی اہل دل پر نظر فرمائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب صرف اسی دل کو مانتے ہیں جو اپنج سے نپ سکتا ہے جبر و قدر کی باتیں ہیں۔ حیرت اور گداز دل کا تو رنگ ہو۔ آپ کی سیر دہلی سے یہ رنگ کس ہنرمندی کے ساتھ ٹپک رہا ہے۔ اللہ آپ کو استقامت بخشے۔

دعا کا امیدوار۔　　اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۴۔ اگست ۱۵ء

مکرمی دام الطافکم۔ الحمد للہ کہ آپ نے رہائی حاصل کر لی۔ آزاد ہو گئے۔ آپ کو اسکی شدید ضرورت تھی۔ میں بدستور رہا ت

دنیا سے تعلق کیا رکھوں کیوں زحمت اٹھاؤں اسکے لیے
دل کہتا ہے اور سچ کہتا ہے کے دن کیلیے اور کس کیلیے

خلاف طبع باتیں نہیں ہو سکتیں۔ اور نتیجہ کیا۔ امراض نے بھی درباری لگاوٹ اور حاضری دربار کے لائق نہیں رکھا۔ اور یہ نہیں تو سب کی نظر میں بدفضولی بلکہ خطرۂ نقصان۔ دنیاوی مشغولی اور اسکی لذت مقدر ہوتی تو والدہ عشرت کیوں مرجاتیں۔ ہاشم کیوں مرجاتا۔ چاہا تھا کہ آستانۂ نظامیہ پر بستر مرگ لگاؤں۔ ہنوز نہیں پہنچ سکا۔ آپ سے ملنے کا اگرچہ بیحد آرزومند ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ یہ آرزو خدا کی راہ کی ہے، لیکن اب تک کوئی دل کشا راہ نہیں ملی۔ دہلی کا خیال ہوتا ہے لیکن سردی سخت ہے۔ دنیا بامید قائم۔ شاید اچھا وقت بھی آجائے

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۱۷ء

پیارے خواجہ صاحب۔ الحمد کہ حضرت داتا [illegible] میں پہنچے۔ مجھ کو خوشی ہوئی کہ آپ حضرت غوث اعظم بغدادی کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں۔ آپ نے دانشمندی کی کہ اس وقت گوشہ تنہائیوں میں قیام اختیار کیا.

چونکہ میرا دل آپ کی طرف بہت کھنچتا ہے۔ اس دلیل سے آپکی تصدیق کرتا ہوں

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۲ جنوری ۱۹ء

پیارے خواجہ صاحب۔ جو اللہ سے لو لگاتے ہیں وہ سب کے پیارے ہو جاتے ہیں بجز ان کے جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے۔ مولویوں کی مذمت کیونکہ وہ شیطان کے ساتھ ہیں۔ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں شاکر ہیں۔ آپکی تصنیفوں سے ٹپکتا ہے کہ آپکی لو اللہ سے لگی ہے۔ پھر کیوں نہ اللہ کے بندے آپ کی طرف مائل ہوں۔ محفل نامہ کا دیباچہ آپ نے خوب لکھا ہے۔ تمام اہل مذاہب کو پڑھنا چاہیئے۔ بیانات کتاب بہت صاف اور مؤثر ہیں۔ اللہ عاقبت بخیر کرے۔ کل سے نزلہ اور دانتوں کا درد ستا رہا ہے۔

خاک کا ڈیپوٹیشن بھی خوب ہے۔ انگریزی میں کیوں نہ ترجمہ کیا جائے۔ میں اب اخبار اور رسالے نہیں دیکھتا۔ بعض اخباروں کو تو کھولتا بھی نہیں۔ آپ کی زبان سمجھتا ہوں اسلئے آپ کی تصانیف اکثر دیکھ لیتا ہوں۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۰ر جنوری ۱۹۱۸ء

مکرمی۔ میں ابھی ایک کارڈ لکھ چکا ہوں اسکے بعد آپ کا خط پہنچا۔ الحمد للہ کہ قبل تحریر، مصنف اظہار رائے کر دیا گیا۔ دریائے معانی مدت سے دل میں لہریں مار رہا ہے۔ اللہ قوت دے، اطمینان دے کہ قلم اٹھاؤں۔ دیکھتا ہوں کہ آپ اسی رخ چل رہے ہیں، دل اسی سانچے میں ڈھلا ہے جس کو میں خدا کے کارخانہ کا اصلی سانچا سمجھتا ہوں، زندگی رہی، حواس بجا ہوئے

تو کچھ ہو رہیگا ورنہ کیا کچھ نہیں ہوا اور کیا رہ گیا۔ ادھر دو تین دن سے میرے خیال منظوم آپ نے نہیں سُنے۔ اُن میں بھی بہت کچھ ہے۔ دل کی شکستگی اور صحت کی خرابی نے بہت کچھ معذور کر رکھا ہے۔ ذوقِ طریقت عنصر میں ہے اس سبب سے آپ کا خیال دلکش ہے اور رہیگا۔

بر ہمانیم کہ بودیم وہماں خواہد بود

ورنہ جس کا یہ شعر ہو سے

میرے دل سے امتیازِ دی و فردا اُٹھ گیا ‏ ‏ ‏ حشر بھی ماضی نظر آیا جو پردا اُٹھ گیا

اُسکا حال کیا بیان ہو سکتا ہے۔ حیاتِ مسیح کا خیال نہایت اچھا ہے بلکہ اسلام میں یہ ایک نہایت ضروری کام ہے۔ اہم مسائل کا سامنا ہے۔ میں اسکے متعلق بہت کچھ کہنا سننا چاہتا ہوں۔ اگر زندہ رہا۔ اچھا ہے جواب مثنوی لکھا جائے۔ لیکن تصوف کو کچھ اندیشہ یوں بھی نہیں ہو سکتا۔ باغبان بابِ چمن کو ہزار مقفل کرے نکہتِ گل اور صبا و نسیم کو کون روک سکتا ہے دماغ چاہیئے۔ شریعت کو تو جانتے تھے لیکن شریعت اینڈ کونسی چیز ہے، اقبال صاحب ہمارے آپکے دوست ہیں میں نے لکھا ہے کہ اپنی دینداری مورد رحمتِ الٰہی ثابت کیجئے۔ اللہ ہم سب پر رحم کرے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ضمناً میرے پہلے کارڈ میں آپ کے خط کے مضمون کے متعلق اشارات ہو گئے ہیں۔ خیر پھر لکھوں گا۔ سلیمان اچھا ہے۔ نماز پڑھتا ہے۔ آپکا مشتاق رہا کرتا ہے۔ عبداللہ بالفعل نہیں ہے ؛

اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۲۸ جنوری ۱۹۱۸ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ نادرستی طبیعت نے بہت معذور کر رکھا ہے۔ کئی سال سے یہی حال ہے۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں راہ سے واپس ہونا پڑا۔ تبخیری دورہ گھنٹوں رہتا ہے۔ اور اس وقت ہرگز یہ خیال نہیں آ سکتا کہ میں پھر بحال ہونگا۔ موسم بہار کی آمد میرے لیئے ہیجانِ صفرا و سودا کا زمانہ ہے۔ اصلی وجہ یہی ہے کہ ابتک دہلی نہیں آ سکا۔ خانقاہ نظامیہ کی زیارت اور وہاں کے قیام کا بسلسلۂ جان سے مشتاق ہوں۔ یہاں کی دقتیں پریشان کیا کرتی ہیں۔ خیر جو ہونا ہے ہوگا

اسوقت میری ایک رسالہ نظر آیا حیات حضرت جنید بغدادی مولفہ نصیر کیا آپ نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ تصوف کی ایک مختصر لیکن دلچسپ تاریخ ہے۔ جنید شبلی بھی لکھی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت علمائے اسلام کا جو عام خیال ہے بیشک اسکو قائم رکھنا چاہیے۔ ظاہر النظر میں تو قرآن مجید ہی کا اسنا مفہوم ہے بلکہ قرآن ہی سے یہ خیال مستحکم ہوا ہے۔ اگر مجھ سے آپ کی ملاقات ہوئی تو گفتگو ہوگی۔ انجیل آپ نے پڑھی ہوگی۔ وحدت کے لئے مسائلات ہیں۔ قرآن ہی کافی ہے۔ مسیح کا فرمانا اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ کسقدر مؤثر ہے۔ دو چار روز ہوئے یہ خیال آیا کہ آپ روزانہ اخبار جاری کریں۔ اس کا نام ہو نظام الطریقت تمام یاران طریقت ملکر کوشش کریں تو سرمایہ بہم پہنچ جائے۔ چار مہینے سے میں اخبار ستارۂ صبح کو نہیں دیکھتا۔ کھولتا بھی نہیں۔ اسی اندیشے سے کہ متنفر ہوگا ظفر علیخاں صاحب کو مطلع نہیں کیا۔ کیا فائدہ۔ لیکن تدابیر ہیں اور بے اثر۔ کتاب کی نقلیں دیکھنے سے کیا حاصل ہے۔ مجکو قطعاً نہیں معلوم کہ کیا لکھا گیا۔ اور کیا لکھا جا رہا ہے۔ تاجرانہ اور واعظانہ اور لیڈرانہ اظہار علم کچھ اثر نہیں رکھتا۔ قرآن ہی کی نقل کیوں نہ ہو

ٹالکے چھاپیں وہ مذہبی باتیں ۔۔۔ فرق ہے تیغ و کلرکی میں

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۷ فروری ۱۹۱۸ء

عنایت فرمائے مخلصاں زاد لطفہ۔ میری تو یہ حالت ہے

چل بسے اسباب غفلت چشم عبرت رو چکی ۔۔۔ میری ہستی تھی ہی کیا اور تھی جو کچھ وہ ہو چکی

اخبار ہمدم میں خواجہ بانو صاحبہ کا ذکر میں کچھ نہیں سمجھا۔ کیا وہی مباہلے والا معاملہ ہے نِسَاءَنَا وَنِسَاءَکُمْ۔ آپ کے لیے بہت سے دنیاوی تعلقات اللہ نے پیدا کر دیے اور آپ کا تجربہ بھی زیادہ ہوگیا۔ امید ہے کہ اللہ اپنا فضل شامل حال رکھیگا۔ فکر میں تو ہوں کہ آپکے سائے میں پناہ ملے کاش جلد راہ ملے۔ دل و دماغ مشکل سے کسیوقت بجا ہوتے ہیں۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۸ فروری ۱۹۱۸ء

سماع خانے کا حال آپ کے خط میں دیکھکر انبساط ہوا ؎

ہست مجلس بران قرار کہ بود ہست مطرب بران ترانہ ہنوز

حافظ کا شعر یاد آیا۔ قریباً آبدیدہ ہوگیا۔ اقبال صاحب کو لکھ بھیجا کہ میں مخدومیت کا مستحق نہیں لیکن چاہتا ہوں کہ آپ کی عظمت اور محبوبیت قائم رہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۹ر فروری ۱۹۱۸ء

مکرمی دام مجدکم۔ ایک لمبا خط آپکو لکھا لفافے میں رکھا معلوم نہیں کیوں پوسٹ کرنے سے رُک گیا۔ شاید بھیجدوں۔ اس کے بعد ہی آپ کا کارڈ پہنچا۔ تکلف کیا ضرور لیکن جو مرضی عشرت سلمہ پرتاب گڈھ میں ہیں۔ میں بھی جانیوالا ہوں۔ پرسوں ارادہ ہے ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ہے متحمل ہو جاؤنگا لیکن ابھی اُن کا خط آیا ہے کہ یہاں طاعون زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی سبب سے اہل و عیال کو جو اُن کے دورے کے زمانے میں پرتاب گڈھ چلے گئے تھے۔ واپس نہیں بلا سکے ہیں تو غالباً پرسوں چلا ہی جاؤں گا۔ میں آپکے اجرائے رسالہ کا حال سُنکر خوش ہوا خدا راست لائے۔ کاش آپ سے ملاقات ہوتی تو بارِ دل اُترتا اور یوں تو یہ بارِ دل بارِ زندگی ہی کے ساتھ اُتریگا۔ میں کہہ نہیں سکتا کیسے دلی مصائب میں ہوں۔ معلوم نہیں یہاں نگرانی کے احکام بدستور نافذ ہیں یا کیا۔ ایک دفعہ کیوں نہ آئیے کہ تجربہ ہو جائے۔ میں خود دہلی آنا چاہتا ہوں لیکن نہیں جانتا کہ یہ سفر کر سکوں گا یا نہیں۔ تبخیر سوداوی بہت ہوتی ہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۵ر فروری ۱۹۱۸ء

مکرمی زاد لطفہ۔ اسوقت میں پرتاب گڈھ میں ہوں۔ عشرت میاں تنہا ہیں۔ کچہری جائینگے تو سناٹا ہوگا۔ کیا عجب کہ جلد الہ آباد چلا جاؤں۔ آپ نے لکھ بھیجا کہ ۱۷ ار کو پرچہ نکل جائیگا ۱۷ ار تو آج ہی ہے اس سبب سے مضمون بھیجنے کا وقت نہ ملا۔ بہت نظمیں غیر مطبوعہ موجود

ہیں۔ اب انشاء اللہ پرچہ دیکھکر دوسرے پرچے کے لیئے بھیجوں گا۔ اگر زندہ رہا اور اللہ نے چاہا
عشرت میاں کی ساس صاحبہ نے سُنا عشرت کی بی بی سے کہا کہ میں خواجہ صاحب کی
کُل تصنیفیں سُننا چاہتی ہوں۔ عشرت نے اپنی بی بی کو آپکے کل رسالے یہاں سے بھیجدیے
ہیں۔ کہتے تھے یزید نامہ نہیں ملا۔ میں نے کہا میں الہ آباد سے بھیجدوں گا۔ سب کو دعائیں۔

اکبر۔ پرتاب گڈھ۔ ۱۷ر فروری ۱۹۱۸ء

جناب خواجہ صاحب سلمہٗ۔ کلیات اکبر حصۂ اوّل کی بہت دن سے مانگ تھی۔ بہت مشکلوں سے پھر چھپا ہے۔ برادرم واحدی صاحب سے کہدیجیے کہ دو تین مرتبہ اعلان کردیں میں اس کام کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ کچھ فائدہ محسوس نہیں ہوتا۔ ترک تعلق پر طبیعت مائل ہے بہتر ہو کہ اشاعت خرافات اکبر کا کام احباب دہلی اپنے ذمّے لے لیں۔ عشرت سلمہٗ جب خود نہیں کرسکتے تو کیا کیا جائے۔ بہ شرائط مناسب غالباً وہ انتظام پسند کریں۔

ا۔ ح۔ پرتاب گڑھ۔ ۱۹ر فروری ۱۸ء

پیارے خواجہ صاحب۔ ۱۷ر کیسی آج تو ۲۱ ہے لیکن آپ کا پرچہ نہیں آیا میری معذرت کو کسی آفشل احتیاط سے منسوب نہ کیجیے گا۔ اسکی زیادہ ضرورت کبھی نہ تھی اور اب تو بلحاظ حالات کچھ بھی نہیں ہے۔ اُس کے اور وجوہ ہیں جو شاید بیان کرنے سے بمشکل سمجھ میں آئیں۔

عشرت کچہری گئے ہیں۔ دوپہر کا وقت ہے۔ سنّاٹا ہے۔ پریشان اور تند ہوا چل رہی ہے لیکن ساتھ ہی دردسر بھی ہے داغ دل بھی تازہ ہوگئے ہیں۔ عبرت قضا کا سبق پیش نظر ہے۔ انسانی غفلت کا خیال ہے۔ کچھ نہ پوچھیے کیا گذر رہی ہے۔ یہ شعر بیکسی زبان پر لائی ؎

گھر کو چھوڑے ہوئے مدت ہوئی صیاد مجھے کس چمن میں تھا نشیمن یہ نہیں یاد مجھے

پیران طریقت کی ہمت چاہیئے۔ دعا کیجیے ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را　　دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

خواجہ شیراز پر اللہ کی رحمت۔　　اکبر۔ پرتاب گڑھ۔ ۱۲ر فروری ۱۹۱۸ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ابھی آپ کا خط ملا۔ میں الہ آباد واپس جا رہا ہوں۔ عشرت سلمہ دو ایک دن کے لیے پرتاب گڑھ جانیوالے ہیں۔ ۲۴ر مارچ سے انہوں نے دو ہفتے کی رخصت کی درخواست کی ہے۔ اُن کو رخصت مل گئی تو دہلی و لاہور دیکھنے کا بھی قصد رکھتے ہیں۔ ساری دنیا دیکھ آئے۔ دہلی آج تک نہیں دیکھی۔

حصۂ دوم اب باقی نہیں شاید ۵ - ۷ جلدیں ہوں۔ حصۂ اول کی جو جلدیں لکھیئے بھجوادوں حصۂ دوم پھر چھپے گا۔ آپ سے ملاقات ہوئی تو اس باب میں کچھ فیصلہ ہوگا۔ بار بار چھپوانا زحمت ہے۔ میرا دل بھی نہیں لگتا۔ موزوں کرکے نوٹ کر لینا۔ بس یہیں تک طبیعت ساتھ دیتی ہے۔ زیادہ کتابیں چھپیں۔ اشتہار دیئے جائیں تو کچھ نفع محسوس ہو۔ یہ بات نہیں ہوئی۔

مرشد کے باب میں مجھ سے غلط فہمی ہوئی۔ نئے کلام کا ایک انبار موجود ہے۔ حصۂ سوم کا خیال کر رہا ہوں۔

آج میں اور عشرت باتیں کر رہے تھے کہ خواجہ صاحب کے پاس اُردو ٹائپ رائٹر ہو جائے تو خوب ہے۔ اُنکو بہت خط لکھنے ہوتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ایسا خیال کیا ہے۔ گھر میں سب کو دعا۔ عشرت آداب عرض کرتے ہیں۔

اکبر حسین۔ پرتاب گڈھ۔ ۲۸ر فروری ۱۸ء

پیارے خواجہ صاحب۔ اپنی حسرت و افسوس کا کیا حال کہوں سلیمان اور سیدہ اور ایک لڑکے کو ساتھ لیکر دہلی کا ٹکٹ لیکر کمال شوق میں چلا۔ اگرچہ ڈر رہا تھا۔ فتحپور پہنچکر طبیعت

خراب ہو چلی۔ کانپور پہنچتے پہنچتے نہ دماغ قابو میں رہا نہ دل۔ بیحواسی اور پریشانی کی حالت میں اُتر پڑا۔ ویٹنگ روم میں گھر کا سا آرام کہاں۔ رات بھر ۵۔ ۷ مرتبہ رفع حاجت کو اُٹھنا ہوں۔ نیدھا نے کہا کہ صبح اٹاوہ تک چلکر قیام کیجئے۔ لیکن جب طبیعت کا یہ حال ہے تو کیا جرأت ہو اور کھانے میں جو قیدیں ہیں کیونکر نبھیں گی۔ سلیمان نے سچ کہا کہ کس تقویت پر آگے بڑھیئے۔ بہرحال جب حواس درست ہوں تو الہ آباد واپس جاؤں۔ وہاں سے انشاء اللہ نیدھا و سلیمان کو بھیجدوں گا کیونکہ اُن کو اشتیاق آپ کی قدمبوسی کا ہے گرمی دفعتہ سوا ہو گئی۔ یہ موسم ہیجانِ صفرا کا ہے۔ خدا یہ رات یہاں کاٹ دے۔ آرام کرسی ہے اور میں۔ دو بچوں پر دو صاحب قابض ہیں۔ اب آپ ہی آئیے اگر ملنے کا شوق ہو۔

اکبر حسین۔ کانپور۔ ویٹنگ روم۔ ریلوے اسٹیشن ۷ مارچ ۱۹۱۸ء
روز پنجشنبہ۔ وقت ۷ بجے شب

مکرمی زاد الطافکم۔ انگلستان کے ایک فلاسفر عالم بکٹول نے حال میں ایک کتاب مبسوط تصنیف کی ہے۔ ریلیجن اینڈ ریالٹی جس کے معنی ہوئے مذہب اور حقیقت۔ قریباً وہی مفہوم ہے شریعت و طریقت۔ مسئلہ ہمہ اوست و ہمہ از وست و ہمہ بدوست پر مکمل بحث ہے۔ یہ کتاب بھی میں اپنے ساتھ لا رہا تھا کہ اشاعت ترجمہ کی مشورت ہو۔ یہ کتاب پیوند تصوف ہے۔ مگر پہنچ ہی نہ سکا (مہاراجہ کشن پرشاد صاحب کو مناسب ہو تا کہ ادھر توجہ کرتے) اس اس وقت پیٹھ میں کچھ سرخی اور سوزش ہے۔ یہ بھی بخاراتِ گرم کا اثر ہے اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ یہی بخارات دماغ کو پریشان کر دیتے ہیں۔

میں نے رفیق صاحب سے کہا تھا کہ جب فارغ ہو جیئے تصوف کی کچھ خدمت کیجئے اور حسن نظامی صاحب سے بھی ملیئے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ حسن نظامی صاحب مجھ سے ملتے ہیں۔ پرسوں رفیق صاحب کسی وقت کی ریل میں گئے۔ اگر میں واپسی پر مجبور نہ ہوتا تو ایک

ہی دن دونوں وہاں پہنچے۔

کل ڈاکٹر اقبال صاحب کا خط آیا ہے کہ ۱۶ یا ۱۷ مارچ کو میں الٰہ آباد آؤں گا اور میرے ساتھ ایک اور صاحب ہونگے جو صرف آپ ہی کے اشتیاق آتے ہیں۔

۴ سال پیشتر اقبال صاحب میرے مہمان ہوئے تھے مجھی سے ملنے آئے تھے دو دفعہ تشریف لائے تھے اسوقت میں اس قدر دلگرفتہ اور ضعیف نہ تھا تاہم کچھ دلچسپی کی امید ہے آپ ہوتے تو میری قائم مقامی کرتے۔ نیدما کو احکام دیتے ہیں تو زیادہ حاضری بھی نہیں دے سکتا ڈاکٹر صاحب سوشل طور پر ایک نعمت ہونگے۔

ستارۂ صبح کو میں نہیں کھولتا۔ لیکن کچھ لفظ نظر آگئے کہ آپ کی تفضیلیت پر اعتراض ہے۔ دلچسپ بحث ہے اور موجودہ پولیٹیکل حالت کے اعتبار سے بے ضرر بھی ہے۔

اشاعتِ اسرارِ خودی کے بعد بھی آپ سے ڈاکٹر اقبال صاحب سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟

اکبر حسین۔ الٰہ آباد۔ ۹ , مارچ ۱۹۱۸ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ گزشتہ تین سال میں عمر بھی زیادہ ہوئی اور اسباب دلگرفتگی بھی۔ خیال کی قوت نہیں گھٹی۔ لیکن اعضا خدمت میں قصور کرتے ہیں۔ چلنا پھرنا سیر سفر مشکل ہوتا جاتا ہے بہ ظاہر کوئی خرابی نہیں لیکن طبیعت کو اضمحلال ہے۔ امید ہے کہ آپ سے ملکر طبیعت کو کچھ انبساط ہو۔ یکم اپریل ابھی دور ہے۔ حسین سلمہٗ کی خیریت فوراً لکھیئے۔ سب کو تعلق خاطر ہے۔ خدا کرے آشوبِ چشم کی تکلیف سے آپ نے نجات پائی ہو۔ واقعی آپ نے بڑا طول طویل سفر کیا۔

اکبر حسین۔ الٰہ آباد۔ ۲۳ , مارچ ۱۹۱۸ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ حسین کی اداؤں کا آپ نے بہت پیارا فوٹو کھینچا ہے۔ وہ مانوس ہو یا نہ ہو۔ آپ کی عدیم الفرصتی ہی اچھی۔ خدا اسکو آپ کی للّٰہیت سے مانوس کردے۔ سوشل

اُنس کو تو فطرت حدِ ضرورت پر پہنچکر ختم کر دیتی ہے

فلسفیانہ تصوف۔ عاشقانہ تصوف۔ پولٹیکل تصوف میں فرق بھی ہے میں نے صرف تذکرتاً لکھدیا تھا۔ دنیا چل ہی رہی ہے۔ اور ہنوز چلتی رہیگی کہ ہم چل چکیں گے۔ جس طرح ہو سکتا ہے ہم لوگ وقت کی خانہ پری کر رہے ہیں خوشا نصیب اُن کے جنکا زیادہ وقت استغفار اور یاد الٰہی اور ذوق لقائے باری میں گذرتا ہے۔ مجکو تو حوادث اور امراض نے مرکز پر ٹھہرنا مشکل کر دیا ہے آپ کی محبت اور توجہ سے استمداد کرتا ہوں۔ قافیہ خوب ملا۔ ولی حسین پوچھتے ہیں کہ کوٹھی کو آئیں گے۔ میں کہتا ہوں جو کوٹھی کو دے خاک۔ اکبر الٰہ آباد ۲۰ مارچ ۱۹۱۶ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ لوگ ملنے آئے گرمی سے بیحواس ہوں۔ وقت ملا۔ انشاء اللہ جلد بقیہ اشعار مع ضروری نوٹوں کے بھیجدوں گا۔ آپ کی غشی اور فاقے پر شاعرانہ یا صوفیانہ نظر پڑی خدا آپ کو تندرست رکھے۔ اکبر ۱۱ مئی ۱۹۱۶ء از الٰہ آباد

شریعت میں تاکید ضبط نصوص	طریقت میں ذوق عمل با خلوص
طریقت قدم ہے شریعت ہے راہ	شریعت زباں ہے طریقت نگاہ
شریعت درِ محفلِ مصطفےٰ	طریقت عروجِ دلِ مصطفےٰ
خیالاتِ شاعر یہ گو ہیں درست	مگر قول سعدی نہایت ہی چست
طریقت بجز خدمت خلق نیست	بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
محال است سعدی کہ راہِ صفا	تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

مکرمی تین چار شعر پڑھے ہیں۔ بہ شرط پسند داخل نظم ہوں۔ میری طرف سے اشاعت ہو۔ یہ لکھیئے کہ پسند آئے لہذا شائع کیے جاتے ہیں۔ اگر آپ مجکو خط لکھکر شائع کرنے کی اجازت طلب کریں تو اس کے جواب میں اجازت کے ساتھ میں کچھ نوٹ اضافہ کر دوں۔ اور متفرق اشعار بھی

کمانڈر شاہ کی دلجوئی آپ نے کی تو ثواب ہوا۔ پریشان حال ہیں۔ اقبال صاحب نے لکھا ہے کہ آیندہ ایڈیشن سے شکایت حافظ کو خارج کر دینگے میں سمجھتا ہوں کہ بہت اچھی بات ہے۔ آپ نے پرند کی تعریف کہاں لکھی ہے۔ واقعات لکھے ہیں۔ سید سلیمان صاحب نے میری ایک نظم معارف میں چھاپی ہے۔ ملا اور صوفی کی بحث۔ لیکن غلط چھاپی۔ ۳۔ ۴۔ غلط ہے۔ بعد صحت مرشد میں نقل ہو سکتی ہے؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۵ رمئی ۱۹۱۸ء

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرمی کی شدت سے تپین تو ہماری تھا اس میں اور اضافہ ہی معلوم نہیں آپ پر کیا گزرتی ہے۔ مقبرۂ ہمایوں کی غشی اگرچہ قابل افسوس تصور کیجا سکتی ہے لیکن آپ نے ایسے لفظوں لکھا تھا کہ مجکو رشک آیا کہ مجھ پر وہ حالت کیوں نہ طاری ہوئی۔ بہرحال آپ کا دل و دماغ مولی کی لو سے روشن ہے۔ انشاء اللہ عاقبت بخیر ہے ؎

بوئے گل تو تو چلی اپنی سبکباری سے   میں گرانبار اٹھوں گا بڑی دشواری سے

سید احمد صاحب ساکن عرب سرائے مولف فرہنگ آصفیہ کی وفات کا افسوس ہوا ایک سٹ لغات کا مجھے انہوں نے صلعم میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ خدا جانے ان کے وارث یہ وعدہ پورا کر سکیں گے یا نہیں۔ افواہوں سے اکثر لوگوں نے تو پریشان کر رکھا ہے۔ اور کیا لکھوں۔ خیریت جلد لکھیئے۔ سب کو دعا۔ سلام؛

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۹ رمئی ۱۹۱۸ء

مکرمی۔ ہمایوں کے مقبرے میں خوض مضامین میں آپکو استغراق تھا۔ ایک سلسلۂ واردات قلب پر متجلی ہوا۔ آپ تحمل نہ کر سکے۔ دوسرے دن ہوش آیا۔ اس پر شاعرانہ نظر نے رشک کیا صوفیانہ خیال نے اس حالت کی تعظیم کی۔ شاید آپ کا یہ منشا تھا کہ بیماری سمجھکر اظہار افسوس ہونا چاہیئے۔ آپ کی تکلیف کا بیشک افسوس ہوا۔ الحمد للہ کہ صحت حاصل ہوئی۔ ظاہراً آپ کی زندگی بہت

ضرورت ہے۔ آپ نے پھر اپنی خیریت[۱] سے اطلاع نہ دی طبیعت کو تعلق ہے۔ جنوں خیز گرمی پڑ رہی ہے۔ جنوں خیز غلط کہا وہ تو عاداتِ بہار ہوتی ہے۔ جاں گداز کہنا چاہیئے۔ میں ہر وقت اپنی شکایات میں مبتلا رہتا ہوں۔ موسم اعتدال پر آئے تو بشرط زندگی پھر آرزوئے ملاقات زندہ ہو اس مرتبہ آپ کا قیام بہت کم رہا مصلحت بھی یہی تھی۔ آپکی چٹھی آپ کو مل گئی یا نہیں۔ معارف نے میری نظم ملّا وصوفی بلا میری درخواست کے چھاپ دی۔ ڈاکٹر اقبال صاحب کو پسند نہیں آئی لیکن اس میں کسی کی حمایت نہیں ہے مصلحت اندیشی ہے۔

اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۲۳، مئی ۱۹۱۸ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ جو اس گزار گرمی پڑ رہی ہے۔ آپ نے خوب لکھا وضو سے منصف وصولوں تو چلو لکھاؤں۔ مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ[۲] کے بھائی جان پر توجہ رجوع ہوئی ہوگی۔ پچھلا پرچہ خطیب ملاحظہ ہو۔

اکبر حسین۔ الٰہ آباد۔ ۲۰، مئی ۱۹۱۸ء

سہ پہر کو جب نماز پڑھنے جاتا تھا سنا کہ کوئی صاحب دیوان سنگھ نامی ملنے تشریف لائے ہیں۔ ملا۔ اُنہوں نے آپ کا نام لیا۔ اس سے میں خوش ہوا۔ وہ خود بہت محبت کے آدمی معلوم ہوئے۔ اُن کے بھائی ٹیلیگراف سپرنٹنڈنٹ لکھنؤ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ میں نے کہا کہ وقت نہیں ہے۔ مجھ پر دعوت فرض تھی۔ عطر کی تواضع کر دی۔ اللہ ایسے نیک دلوں کو

۱؎ حسن نظامی ہمایوں کے مقبرہ کے قریب کھنڈرات میں بیٹھا مضامین لکھ رہا تھا کہ یکایک غش آگیا۔ لوگ اُٹھا کر گھر لائے اُس کا اشارہ اس خط میں ہے۔ ۱۲

۲؎ مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی نے ایک مضمون خطیب میں لکھا تھا جس میں مسز سروجنی نائیڈو کو بہن لکھا تھا۔ حضرت نے اس کا اشارہ کیا ہے۔ ۱۲

خوش رکھے۔ دیوان سنگھ صاحب دہی بانیہ والے ۱۲۷

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۰ر جون ۱۹۱۸ء

پیارے خواجہ صاحب! اللہ کے حفظ و امان میں رہیے ضعف یا کاہلی سے ابتک خط نہیں لکھ سکا۔ لکھوں گا۔ سالک کی فنا اور ولادت معنوی کی ایک کاپی ابھی ملی چاٹگام کے کسی بزرگ نے چھپوائی ہے۔ اجمل خاں[1] صاحب مرحوم دہلوی کا نام ہے۔ کیا آپ نے بھی ملاحظہ فرمائی موجودہ کوتوال شہر کل ملنے آئے تھے کہتے تھے کہ خواجہ صاحب کا میں بھی مشتاق ہوں۔ گرمی کم ہو تو پھر تشریف لائیے۔ ننھے سے کیڑے نے تو آپ کے فیض سے بڑے مدارج ارتقا حاصل کیے۔ سب کو دعائیں۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۰ جون ۱۸ء

ڈیر خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سلیمان نے تصویر دکھائی حسین پر بہت پیار آیا۔ خدا عمر دراز کرے۔ اور دہلی کے علم دین اور فیض تصوف کا اس کو قائم مقام کرے۔ دیوان سنگھ نے کمال گرویدگی ظاہر کی۔ بہت سے آم اور کیلے نذر کیے۔ میں نے کہا آپ کیوں زیر بار ہوئے۔ آپ کو اپنا ملجا و ماوا سمجھتے ہیں۔ آپ جو میری قدر افزائی فرماتے ہیں اسکا ذکر بھی کرتے رہے۔ مجھکو ایک سکھ کی ایسی طبیعت پر تعجب ہوا۔ آپ نے مفتوں شاہ اُن کو نہایت بجا خطاب دیا ہے۔ عینک بھیجنے کا وعدہ کر گئے ہیں۔ یہاں تو برسات شروع ہو گئی۔ مجھکو تسکین تو ہوئی لیکن ضعف دل و دماغ سے جرأت قوت سفر جو سلب ہو گئی ہے اُسکے عود کرنے کے آثار ہنوز نہیں پیدا ہوئے۔ ارادہ کیا کرتا ہوں کہ مرشد کے لیئے مضامین لکھنا شروع کروں اور لکھتا رہوں۔ ناتوانی اور کاہلی سے ہنوز اس ارادے پر عمل

[1] حکیم اجمل خاں صاحب کو مرحوم لکھنا ایک لطیفہ ہے۔ سیاسی انہماک کے سبب حکیم صاحب کو مریضوں کے علاج کی فرصت نہیں ملتی اسکا اشارہ ہے۔ کیڑے کی نظم حسن نظامی نے اپنے رسالہ مرشد میں شائع کرا دی تھی اس کو ارتقا فرمایا ہے ۱۲

نہیں کر سکا۔ لیکن مرشد مضامین سے مالا مال رہتا ہے۔ کلیات میں بہت اشعار دبے دبائے پڑے ہیں جو لائق اشاعت ہیں۔ وہ دو دو چار چار کافی ہیں۔ نئے اشعار انشاء اللہ جلد بھیجوں گا۔ اصل یہ ہے کہ نشاط امید فردا سے طبیعت خالی ہوگئی ہے۔ جو مجھ پر گزری ہے جس پر یہ گزرے ایسا ہی ہو جائے۔ ناتوانی و تنگدستی مزید بر آں۔ شریفی مذاق کی کرامت ہے کہ زبان قلم سے مجھکو نہ صرف زندہ بلکہ بیداری کے ساتھ زندہ ظاہر کرتی ہے۔ ورنہ اگر زندہ ہوں بھی تو عبرت اور دنیا سے مایوسی کی گہری نیند میں سو رہا ہوں۔ یعنی زیادہ تر آخرت کا خواب دیکھتا ہوں کبھی کبھی پھر یہ لئے۔ کیا مزا ہو اگر جواب دیجئے کہ "خوب کہیے"۔ اقبال صاحب سے بھی بڑا لطف تھا لیکن افسوس کہ اب ان کے سامنے شراب نہیں پی سکتا۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۲ جون ۱۹۱۸ء

ڈیر خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ شریعت و طریقت والے مضمون کی کچھ جلدی نہیں ہے مکمل کر کے انشاء اللہ پیش کرونگا۔

میں کہتا ہوں سب مسلمانان شریک صف نماز کو باہم اتحاد چاہیئے۔ خیالات میں اختلاف ضروری ہے۔ اس اصول پر ہم کو بھی کسی سے بیزاری اور نفرت نہ چاہیئے۔ صرف اسلئے کہ وہ ہمارے خیال یا مذاق میں شریک نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ خود ہم سے دوری اور علیحدگی نہ چاہے۔ سر اقبال صاحب سے آپ سے خط و کتابت ہے یا نہیں۔ نیرنگ صاحب تو اُن کے بڑے دوست تھے شاید اب بھی ہوں۔ مجکو خواہ مخواہ ان خیالات میں واقعات نے الجھا دیا ہے۔ اللہ جلد نجات دے ؎

خودی کے حس پیچ ہی موتے ہے ذستار اکبر کہاں رہوں کہ مجھے بھی مرا پتا نہ چلے

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۳ جون ۱۹۱۸ء

مکرمی زاد لطفہٗ کہیے مزاج کیسا ہے۔ مرشد کے کتنے پرچے نکل جاتے ہیں۔ میں کیا کہوں خدا کی مرضی ہے جی رہا ہوں۔ ع عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

میں نے ماجد میاں کو لکھا ہے کہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ خواجہ صاحب کے دل میں آپ کی جگہ ہے۔ بلا شبہ اُن میں کوئی بات ایسی ہے کہ ہم لوگ عزیز رکھتے ہیں میں نے تو کل اُن کو یہ اشعار لکھدیے ؎

ماجد کو آپ کہیے یگانۂ طریقت — دل میں مرے تو ہے اک اُمید کا قصیدہ
وہ غالباً ہیں مصداق اس شعر با اثر کے — ارشاد کر گیا ہے اک عبد بر گزیدہ
من پاکباز عشقم ذوق فنا چشیدہ — آہوئے دشت ہوئیم از ما سوا رمیدہ

میرے کلیات حصہ اول کے صفحہ ۹۵ میں آپ یہ شعر پائیگے ؎

خودی و بیخودی دونوں ہیں عکس صورت جاناں — اسی کو جلوہ گر پاتے ہیں جس عالم میں جاتے ہیں

اقبال صاحب نے اسرار خودی اور رموز بیخودی کو شائع کیا ہے۔ آپ ایک لطیفہ لکھ سکتے ہیں کہ آپ صاحبوں سے دعاگو نے پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ مقصود بہر صورت اللہ پاک ہی ہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۴ جون ۱۹۱۸ء

جناب خواجہ صاحب۔ کیا میں اپیل کروں گا جواب رہ گیا تھا ضرور کیجیے۔ مگر پہلے ڈپٹی کمشنر ہی کو گھیریے اور بار بار کہیے۔ آپکو ضرورت تو نہ تھی۔ ایک شوق ہوا ہوگا۔ یا اپنے پوزیشن کی آزمائیں جہاں تک موافق مُراد، اس پر خدا کا شکر اس کا کرم۔ جو خلاف مراد، وہ اسکا انتظام، اُسکی مصلحت سر تسلیم خم۔ دعا اور تضرع جاری ہے۔ وقت گزرتا ہی جاتا ہے۔ موج زندگی غرق فنا ہوتی ہی چلی جاتی ہے۔ ہنگامۂ اجل۔ بہرحال مجھکو تو یہ حسرت نہ رہی کہ میں صاحب اسلحہ کیوں نہ ہوا۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا میں بہت افسردہ و ناتوان ہو گیا ہوں۔ اسی سبب سے ایسے خیالات ہو گئے ہیں۔ لیکن

حسن نظامی نے تلوار کا لائسنس حکام دہلی سے مانگا تھا۔ نہایت سخت انکاری جواب ملا۔ حضرت سے اپیل کا مشورہ لیا اسکا یہ جواب ہے۔

خیالات ہیں صحیح۔ میں تو جوتی بھی چھوڑ بھاگوں اگر اس پر لیسنس لگ جائے۔ خدا حسین کی عمر دراز کرے دواخانے کو ترقی دے۔ پھر خط لکھوں گا۔ آپ کب جائیں گے۔ کب واپس آئیں گے۔

اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۲۶ ر جون ۱۹۱۸ء

مکرمی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ ماجد میاں سلمہ کے خط سے معلوم ہوا کہ ظفر علیخاں صاحب کو حیدرآباد سے خارج البلد کا حکم ہوگیا۔ چار دن میں نکل جائیں۔ بڑی دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ افسوس بھی ہوا تردد بھی۔ افسوس یہ کہ اطمینان و آسائش سے اچھے عہدہ پر تھے اس سے جدا ہونگے تردد یہ کہ کہیں پھر نہ تصوف کے سر ہو جائیں۔

امید ہے کہ آپ مع متعلقین اچھے ہوں مجھ پر کیا گزرتی ہے اس کا بیان آسان نہیں۔ اس وقت مرے ایک ذہین دوست مجھ سے ملنے آئے تھے۔ میں نے یہ اشعار جو ہنوز پرائیویٹ ہیں۔ ان کو سنائے۔

نبی کا ساتھ تو بے سلطنت کے مشکل ہے ‌ ‌ ‌ علی کے شیعہ ہیں مومن خدا کے شیعہ فقیر
غم حسین میں رہنا یا ہو وجد و حال میں غرق ‌ ‌ ‌ یہی اشارہ فطرت یہی صدائے ضمیر
وگرنہ آفس و مسجد میں بیٹھ رہ خاموش ‌ ‌ ‌ کہیں سے کیک ملے اور کہیں سے نان خمیر

سنکر بھڑک گئے۔ لوٹ گئے۔ کہنے لگے کہ درویش فقیر کو خدا کا شیعہ کہنا بیا اور اچھوتا مضمون ہے لکھکر لے گئے۔ یہ ایک شیعہ دوست تھے۔ پولس میں ملازم تھے۔ اطلاعاً لکھدیا۔

اکبر حسین۔ الٰہ آباد۔ ۸ر اگست ۱۹۱۸ء

تھینک یو۔ خواجہ بانو صاحبہ کو بھی تھینکس۔ بی اکرم صاحبہ نے مری کل نظمیں نہیں دیکھیں۔ کم سے کم تین نظموں کی نقلیں ان کے پاس پہنچنا چاہئیں۔ انشاء اللہ دو ایک روز میں بھیجدونگا۔ آپ تہذیب نسواں میں اشاعت کے لیے بھیجدیجیے۔

ع بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں۔ پوچھتی ہیں کہ یہ بیبیاں کہاں نظر آئیں غیر قوم کی ہوں گی۔ مولوی بشیر الدین صاحب اڈیٹر البشیر سے پوچھیں۔ وہی بمبئی گئے تھے۔ کسی جلسہ میں عورتوں کے اعضا ظاہر ہوئے شوخیاں ظاہر ہوئیں۔ اُسی مضمون کو دیکھکر میں نے یہ قطعہ کہا تھا۔ مولانا شبلی وکن میں تھے انہوں نے بیحد داد دی اور سارے ملک نے داد دی:

اکبر حسین۔ الہ آباد ۔ ۸ر اگست ۱۸ء

یہ اشعار پرچہ مشرق میں چھپے تھے۔ اڈیٹر نے ان کو نہایت عمدہ سمجھا ؎

عورتوں کی بھی ہے تعلیم ضروری بیشک ایک ہی نکتہ یہاں کہتا ہوں بس حکمت کو

دو اُسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

کلیات کے دوسرے حصہ میں ایک ظریفانہ نظم ہے اس میں تو بے پردگی کا وعظ ہے بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے نہ دیکھی ہو تو دیکھیے ؎

لڑکیاں بول اُٹھیں خود بطریقِ تائید کون کونے میں کرے بیٹھکے مٹی کو پلید

وغیرہ وغیرہ۔ اس نظم پر تہذیب نسواں کو نظر کرنا چاہیے:

ڈیر خواجہ صاحب، معلوم نہیں میری نظموں کو تہذیب نسواں صاحب کیوں لے بیٹھے سب کو معلوم ہے کہ سید احمد خاں صاحب مرحوم نہ صرف پردے کے حامی تھے بلکہ لڑکیوں کے سرکاری اسکول میں جانے اور جدید کورس پڑھنے کے مخالف تھے۔ وہ اپنے انتظام سے مذہبی تعلیم ہی کو مناسب اور کافی سمجھتے تھے۔

مری نظموں کا اثر ہی کیا ہو سکتا ہے۔ لڑکیاں اسکولوں میں جانے لگیں۔ پردہ بھی نسخ شدہ جاتا

اکرم صاحبہ نے تہذیب نسواں میں حضرت پر اعتراض کیا تھا۔ اس کا ذکر ہے ۔ ۱۲

رہیگا۔ میں نے اس بات کو بھی کہدیا ہے حصّہ دوم میں دیکھیے۔ ۴۰-۵۰ سال کا اندازہ کیا ہے داگ بھی دور ہے،

نصرت الاخبار دہلی نے تو ابھی ایک رسالہ حمایت پردہ میں شائع کیا ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالے دیے ہیں۔ قریبًا تمام عالم اسلامیہ ہند اس وقت تک پردے کا حامی ہے۔ میری کیا تخصیص ہے اگر میں اس باب میں سخت ہوں تو اس سے کیا ہوتا ہے

میں نے تو کچھ جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ ہاں خواجہ بانو صاحبہ جو مناسب سمجھیں لکھیں پڑھیں۔ تہذیب نسواں کے اعتراض سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ چاہتے کیا ہیں۔ پردے کی ضرورت سے تو وہ بھی انکار نہیں کرتے۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ حالات مختلف ہیں۔ کیا معلوم کہاں کیا بات پیش آئی کہ اس کے مطابق مضامین لکھے گئے۔ اگر بعض خواتین کو کچھ زیادہ ضرورت آزادی کی محسوس ہو تو عام طریقے کو اس سے کیا تعلق۔ چونکہ آپنے ادھر توجہ کی لہذا یہ مراسلت کی گئی کہ بحث میں مدد ملے۔

کل شام کو منشی رضا حسین خاں صاحب نے بھی پرچۂ تہذیب نسواں بھیجدیا مگر کیا یہ مجھپر کوئی خطرناک حملہ ہے؟

اکبر۔ الہ آباد۔ ۵ اگست ۱۹۱۸ء

مکرمی زاد الطافکم۔ مولوی نصرت علی صاحب اڈیٹر الحجاب کا خط آیا تھا اس کے جواب میں میں نے جو کچھ ان کو لکھا ہے موقع ملے تو آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ البتہ دلچسپ ہے۔ بارش کی یہاں بہت کمی ہے۔ بسا اوقات گرمی پریشان کر دیتی ہے۔ رات سے دانتوں میں درد ہے۔ تکلیف میں ہوں۔ منجن مل رہا ہوں۔ اقبال صاحب کے خط آتے رہتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ ہم غریبوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اللہ استقامت عطا فرمائے گھر میں سب کو دعائیں؛

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۹ اگست ۱۹۱۸ء

مکرم بندہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میں نے کوئی زیادہ ملالت دل میں محسوس نہ کی۔ اس میں کیا رسوائی ہے کہ سورۂ والنور پر سختی سے عمل کرنے کا طالب ہوں۔ میری نظمیں تو مدت کی ہیں اسی وقت کونسی نئی بات ہوئی کہ یہ اعتراض شروع کیا گیا۔ اور میری تخصیص کیا ہے اس کے متعلق صدہا مصنفوں اور مضمون نگاروں نے لکھا اور لکھتے رہتے ہیں مجھکو تو شبہ ہوتا ہے کہ بہت دور سے یہ جرأت دلائی گئی ہے۔ یورپ کی کمیٹیاں تعلیم و تہذیب نسواں پر بڑا زور دے رہی ہیں۔ چونکہ پردہ توڑنا ہی مقصود ہے لہٰذا یہ بنیاد قائم کی گئی ہے۔ میں تو جانتا ہی تھا کہ تعلیمی رفتار آگے چلکر عورتوں کو خود زباں درازی اور پردہ شکنی پر دلیر کر دے گی۔ اس کے آثار نمایاں ہیں۔ بہرحال میں نے نہ چوری کی کہ رسوائی کا خوف ہو نہ کفر کیا ہے کہ عاقبت بگڑے۔ آپ کی محبت کا ممنون ہوں۔ بعض دوست تو شاید اسی ڈر سے چپ ہو جائیں کہ بیگمات سے داڑھی کون نچوائے۔ اگرچہ خواہر مذکر بھی اسی پردے میں ہوں۔ میں نے تو ان کو لکھدیا ہے کہ یہ نظم انقلاب روکنے کو نہیں ہے۔ یادگار انقلاب ہے۔ آپ کی دہلی میں تو ابھی نصرت الاخبار نے رسالہ الحجاب نکالا ہے۔ پردہ نشین بھی نکل رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ میری نظم کی شہرت مغربی مجالس تک پہنچ گئی ہے۔ میں نشانہ بنایا گیا ہوں مقصود تو یہ ہے کہ ساری قوم سنے اور پردہ شکنی پر تیار ہو جائے۔ بتدریج داگر یہی لیل و نہار ہیں، سب کچھ ہو گا مردوں کا احساس بھی بدل چلا ہے۔ اور بدل جائیگا۔ اسوقت کچھ حرج بھی نہیں۔[۱]

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۲ر اگست ۱۸ء

پیارے خواجہ صاحب۔ اس وقت اس ملت بے اصول سے تعلق رکھنا سخت پریشانی کا باعث ہے۔ لیکن اس بے اصولی کا الزام اس پر کیا رکھا جائے۔ حوادث روزگار کا جبر ہے خاموشی اور دعا کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لیکن کم شہر اوطالب رزق بہرحال مجبور ہیں۔ اللہ رحم کرے

---

[۱] تہذیب نسواں کے اعتراض کا ذکر ہے جو اس نے پردہ کی نظم پر کیا تھا۔ ۱۲

دوستوں کو سلام ۔ اکبر حسین، الہ آباد۔ ۲۴ر اگست ۱۹۱۸ء

مکرمی زاد لطفہ۔ رسالہ تعلیم و تربیت لاہور بابت ماہ اگست ۱۹۱۸ء ابھی آیا ہے صفحہ ۲۵ میں تعلیم نسواں کے عنوان سے کسی کا مضمون مندرج ہے۔ اس مصرع سے شروع ہوتا ہے ع اگر با پردگی عورات کی تعلیم سے چاہو۔ آخر مصرع یہ ہے ع

زیادہ ان کا پڑھنا ہے مخالف پارسائی کا

عبارت نثر کا اخیر فقرہ یہ ہے۔ "ان کو چاہیئے کہ پہلے یورپینوں جیسے منہ بنوائیں اور پھر ان کی ریس کریں" اسی پر کیا منحصر ہے۔ سب ہی کہہ رہے ہیں معلوم نہیں میری پرانی نظم پر کیوں اعتراض کیا گیا۔ اس میں تو تعلیم کی کوئی مخالفت نہیں ہے۔ میرے ایک عزیز کہتے ہیں کہ محض ایک حسد کے سبب سے اعتراض کیا گیا ہے۔ اعتراض کو بھی دیکھتا ہوں کہ بالکل بے اصول ہے۔ اگر پردہ قائم ہے اس کی پابندی ہے اور میں نے خلاف واقع بے پردگی کی شکایت کی ہے تو یہی کہنا چاہیئے کہ الزام غلط اور خلاف واقع ہے۔ یہ کیا شکایت ہے کہ پردے کے باب میں میں بہت سخت ہوں اور اس سے ترقی میں خلل پڑتا ہے اور اگر یہ شکایت ہے تو یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ کس چیز کی ترقی میں خلل پڑتا ہے۔ تعلیم میں یا پبلک سے ملنے میں۔ اور کہاں تک آزادی کی اجازت مانگی جاتی ہے۔ پردے کا انتظام تو ظاہراً منتظمین مدرسہ خود کرتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حالات مختلف ہیں۔ بڑا ملک ہے۔ سوسائٹی کے طبقات ہیں۔ مذاق اور ضرورت مختلف ہے۔

میں نے تو اُس تحریر کو بالکل بے وقعت اور بے اثر سمجھا ہے۔ ہاں تدریجی انقلاب جو چاہے کرے۔

آپ میرے کلیات کے صفحہ ۲۱۶ کے آٹھویں اور نویں شعر کو ملاحظہ کیجئے۔ یہ سب باتیں اس لیے لکھدیں کہ اگر خواجہ بانو سلمہا یا آپ یا اور کوئی صاحب قلم اٹھائیں تو مدد ملے

ڈیر خواجہ صاحب۔ اس مضمون سے میرا مقصود یہ بھی تھا:۔

عرب کے لیئے اونٹ اُس سے زیادہ ضروری ہے جس قدر گائے ہند کے لیئے۔ باوجود اس کے عرب اس کو ذبح کرتے ہیں۔ ضروری و مفید ہونے سے اُن کے نزدیک کسی جانور کی تقدیس نہیں لازم آتی۔ رہا حکم مذہب وہ اس باب میں اُنکی کتاب میں بہت صاف ہے۔ باوجود اس کے جو اس وقت مسلمانوں نے گائے کی قربانی سے احتراز کرنے کا میلان ظاہر کیا ہے تو برادران ہند کو خیال کرلینا چاہیئے۔ کہ یہ محض بخیال حسن معاشرت اور پاس ہمسایہ اور ازدیاد محبت باہمی اور ہمدردی کے ہے۔

وہ مضمون ناتمام تھا کسی صاحب نے بلا میری اطلاع کے اخبار میں بھیجدیا، اور چھپ گیا۔ ویش بھائی بدگمان ہوئے۔ ماتا پتا کے الفاظ صرف شاعرانہ بندش تھی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ رومی لوگ دریائے طبرس کو باپ کہتے ہیں۔ فادر ٹائبر۔ انگریز لوگ شاید دریائے ٹیمز کو بھی فادر کہتے ہیں۔ لہذا ماتا پتا میں کچھ ہنسی کی بات نہیں ہے۔

ہم لوگوں کے لیئے رونے اور دعا کرنے اور عاجزی کرنے اور محبت بڑھانے کا وقت ہے۔ ہنسا اور توہین کرنا کیا معنی؟ مجھکو ویش صاحب نے خط بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اب آپ کی محبت و وقعت میرے دل میں چار چند ہوگئی کیونکہ آپ نے معذرت کی۔ بہر کیف میں اُن کا نیاز مند ہوں۔ میں مفصلہ بالا مضمون اُن کو نہیں لکھ سکا۔ مضمون نگاری اب ایک بار ہے۔ نواب عبدالمجید خاں صاحب آپ کو پوچھتے تھے:۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۴ر مئی ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ دامت الطافکم۔ حضرت سلطان المشائخ پر بھی عذر اُٹھا تھا کہ قوالوں اور طوائفوں کو کیوں باریابی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ شاید انکو خدا توبہ نصیب کرے۔ عقیدتمند لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ ان پر کیوں دروازہ بند کروں۔ خیر دنیا چل رہی ہے۔ چلنے دیجیئے۔ ہم بھی بہت

جلد چلتے ہوں گے ؛ سلام   اکبر۔ الہ آباد۔ ۶ر مئی سنہ ۱۹۲۰ء

مدت سے آپ کا خط نہیں۔ دل کو تعلق ہے۔ اخبار کا طالب نہیں ہوں۔ بلا وصول قیمت ہرگز نہ بھیجئے۔ ہاں کوئی خاص پرچہ آجائے۔ لیکن مراسلت رہنی چاہیئے۔ طبیعت شدت ترکِ تعلق کی طرف راغب ہے۔ ناتوانی روز افزوں، زندگی بدستور۔

مولوی بشیر الدین احمد صاحب نے دہلی کی پہلی تاریخ میں میرا ذکر بھی کیا ہے۔ اُنکا خط آیا ہے۔ خدا کرے پھر آپ کا مہمان ہوں ؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۳ر مئی سنہ ۲۰ء

مکرمی۔ آج دو اخبار ایک ساتھ پہنچے۔ لیکن میں اپنے عدم استحقاق کا معترف ہوں۔ معلوم نہیں کتنے پرچے نکلتے ہیں۔ گھر میں سب کو دعائیں۔ اپنا حال کیا کہوں۔ ہوائے تند و گرد آلود نے آنکھ کھولنا مشکل کر دیا ہے اگرچہ آنکھیں سلامت ہیں ؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۳ر مئی سنہ ۱۹۲۰ء

مکرمی تسلیم۔ آپ کے خط نہ آنے کا افسوس تھا۔ اس وقت آپ کے مضمون ذاتی عمل پر اعتماد دیکھکر گو افسوس جاتا تو نہیں رہا لیکن اُسکے زیادہ اظہار کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے یہ میرے اشعار جو چھاپے کہاں پائے۔ میں تو اس وقت بہت احتیاط و سکوت سے کام لیتا ہوں۔ آپ کو میری نزاکت تعلقات کا خیال نہ رہا۔ اب یہ اشعار ترجمہ ہو کر مشتہر ہونگے۔ بے نتیجہ اور ضرر انگیز بات سے بچتا ہوں۔ ورنہ کیا بات ہے۔ خیر اللہ مالک ہے آفتاب کے کچھ ریمارک آپ کے برخلاف دیکھکر تعجب ہوا۔ آپ مجھ سے زیادہ آزاد ہیں آپکو تو بڑا خیال رہتا تھا معلوم نہیں اس وقت آپ کہاں تھے۔ ہمدردی نہ سہی ضرر رسانی

سے تو احتراز چاہیئے۔ کم سے کم پوچھ لینا چاہیئے۔ نام کی تصریح کیا ضرور تھی۔ میں ضعف اور تبخیر کے سبب سے اکثر اوقات ٹھیک نہیں لکھ سکتا۔ سالونیکا کا ذکر اب ترکوں کو چڑانا ہے آپ کو شاید صرف میری ظرافت کا اظہار مقصود ہوا۔ میری کوئی خطا ہو تو للہ معاف فرمائیے۔ چراغ سحری ہو رہا ہوں: ؎[1]

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۶۔ مئی ۱۹۲۰ء

آپ کے خط نے اس وقت مجھ کو کچھ تسکین دی۔ اخبار کے مضامین بھی ثمین ہیں خط اور اخبار سوا پانچ بجے پہنچے۔ تین بجے میں نے خطوط آپ کو لکھے۔ بہرحال یہ کارڈ آج کا آخر کارڈ ہے۔ آپ کی علالت کا افسوس ہوا۔ میں رعیت ہی کو شوق سے پڑھ سکتا ہوں بیسیوں اخبار آتے ہیں۔ کون پڑھے۔ رعیت کی زبان سمجھ سکتا ہوں۔ خیریت ہے کہ اعلیٰ انگریزی داں اسٹاف میں نہیں ہیں ورنہ وحشت خیز میگزین ہو جائے۔ رعیت ملک میں بھی اشاعت پائے تو بہتر ہے۔ آپ کے ارادے تربیت مریدین سے ایک خلجان رفع ہوا ملیئے گا تو کچھ باتیں ہوں گی۔ زندگی شرط ہے۔ احسان صاحب کو سلام۔ عیب سے پاک ویلر کہاں ملیگا۔ خواہش تو ہمیں بھی ہے:

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء

مکرم من۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کم سے کم۔ منقول از مسودات سابق غیر مطبوعہ لکھ دینا چاہیے تھا۔ اس وقت کیا محل تھا۔ اشعار اوّل کا اخیر شعر سلسلے میں کہا گیا تھا۔ نظم آیات قرآنی کے اسی سلسلے میں طبع ہونا مناسب تھا خیر آئندہ خیال رہے۔ عشرت کا ایک معاملہ درپیش ہے۔ اللہ بدگمانیوں سے محفوظ رکھے۔ میں ہیجان تبخیر سوداوی سے پریشان ہوں۔ سب

---

[1] اخبار رعیت میں حضرت کا ایک پرانا شعر سالونیکا سے ایتو سالو نکالو ہم کو، چھپ گیا تھا۔ ۱۲

کو دعائیں ؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ الحمد للہ کہ انفلوئنزا سے آپ نے نجات پائی۔ میری تحریرات سابق کا کچھ زیادہ خیال نہ کیجئے گا۔ اوہام سوداوی بہت زیادہ ہیں۔ بیماری کے سبب سے حکام سے ملنا قطعاً بند ہے۔ تنہائی میں گزرتی ہے۔ کھانے پینے کا انتظام ٹھیک نہیں۔ آپ نے خود لکھا تھا کہ آپ کی بیکسی کا بہت خیال رہتا ہے۔ لیکن آپ بہت دور ہیں۔ اور مشاغل و مباحث میں غرق آپکو مبارک ہو کہ دل بوجھ اُتارنے کے لیئے اخبار جاری ہے۔ وائے برحال میرے مضامین دل میں جوش مارتے ہیں۔ مگر کس سے کہوں۔ ہاتھ میں لکھنے کی طاقت نہیں۔ بجز چھپ جانے کے اُمید اثر نہیں۔ آج میں نے دیکھا کہ نظم الہامی کا اشتہار چوتھے صفحے سے غائب ہے۔ غالباً اشاعت سابق کافی سمجھی گئی۔ مجھکو کلکٹر لکھ چکے ہیں کہ شورش کرنیوالوں کو منہ نہ لگائیے۔ لیکن علانیہ ایسا حکم کیوں نہیں جاری کیا جاتا۔ سوشل حالت کو برباد کرنا اور آپس میں رنج ڈلوانا ہے۔ سُنا ہے پہلی جون کو یہاں کوئی جلسہ ہوگا بہت لوگ جمع ہونگے۔ یہ تو فرمائیے رعیت سے امید نفع زرکی ہے یا نہیں۔ رمضان بعد ہو سکے تو دو چار دن کو آئیے۔ عبدالباری صاحب نے صحیح فرمایا کہ ہمارا ہادی قرآن پاک ہے۔ مجھکو اپنا ایک شعر یاد آتا ہے ؎

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود آخر ہے
شکم بولا کہ اس کی بحث کیا خادم تو حاضر ہے

پیٹ بڑا لیڈر ہے۔ چاہتا ہوں کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈروں لیکن بیوقوف مشہور ہونے سے بھی ڈرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ آئندہ میں نثر و نظم مضامین رعیت میں لکھوں۔ راقم نامہ نگار یا اور کچھ ہو حسین مکتب میں کب بٹھائے جائیں گے؟ بہتر ہے کہ حافظ بھی ہوں ؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۹ مئی ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ وکیل[1] بھائی نے مان لیا۔ اور اُن کے اعلان نے مجکو بھی خوش کیا۔ دونوں کو مبارکی۔ آپ کے یہاں کیا ہو رہا ہے۔ رعیت کا کیا حال ہے۔ اس زمانے میں ملنا ہوتا تو خوب باتیں ہوتیں۔ تین دن سے یہ حالت ہے کہ معلوم نہیں ہوتا اچھا ہوں یا بیمار ؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۹۔ مئی ۱۹۲۰ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ افسوس ہے کہ اُس نظم نے طعن کی صورت اختیار کی۔ وہ تو ایک لطیفہ تھا مطلب یہ تھا کہ ترقی ہوئی۔ خواجگی سے شاہی۔ لفظ رعیت نے یہ مضمون شاعرانہ پیدا کیا تھا۔ بہرحال میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا اور نہ ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیئے کہ آپ مضمون نگاری اور اشاعت کتب و اخبار سے اعراض کریں۔ آپ اپنے کلاس کو اسی ذریعہ سے اخلاقی اور روحانی تعلیم دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ جو قابلیت خدا نے دی ہے اُس سے کیوں نہ کام لیا جائے آپ کا دل بفضل خدا نسبت درویشی اور انوار سلسلہ سے مالا مال ہے۔ وہی کافی ہے۔ اس زمانے میں وہ طالب نظر و سکوت کہاں ہیں۔ غربا اور عام معتقدین کے لیے کچھ تلقین بھی چلی جائے۔ بہرکیف غلط فہمی جو پیدا ہوئی ہے اس کو دور کیجئے۔ شروع سے ہی رعیت میں صوفیانہ تربیت طبیعت پر آپ کے مضامین ہیں۔ سنا ہے کہ یکم جون کو یہاں جلسہ واعظین ہونے والا ہے۔ اگر گورنمنٹ کوئی حکم جاری کر دے کہ ملازمان سرکار ان لوگوں سے نہ ملیں تو بات صاف ہو جائے۔ لیکن حکام در پردہ تو یہی چاہتے ہیں مگر صاف نہیں کہتے اور پھر بغیر استفسار ضرر رسانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں جیسا مسٹن صاحب نے کانپور کے معاملے اور آپ کے مضامین پر میرے اور بعض میرے احباب کے ساتھ کیا۔ لوگ عجب مصیبت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اخبار وکیل لاہور نے حضرت پر ایک اعتراض کیا تھا۔ اس کا جواب لکھا گیا۔ اڈیٹر نے تسلیم کر لیا اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ ۱۲

جلد نجات دے۔ میرے تو قریباً کل عنایت فرما اسی مد میں آ گئے ہیں۔ پھر لکھوں گا۔

واپسی خطاب پر اصرار کے فوائد زود آشکارا نہیں ہوئے۔ جہاد یا صبر و سنجیدگی کا بیان تو کتابوں میں ہے۔ لیکن ٹمیا چڑھانے اور جبو دینے کے مصالح کہیں نہیں بیان کئے گئے اسی لئے غیر مسلم لیڈر کی ضرورت ہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۳۰ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

ڈیر خواجہ صاحب۔ ابھی ۵ بجے شام کو آپ کا کارڈ ملا۔ اطمینان ہوا۔ کیا دیوان سنگھ صاحب وہاں نہیں ہیں۔ خدا آپ کی تاجرانہ ہمت[لہ] میں برکت دے۔ میں کیا رائے قائم کر سکتا ہوں۔ بہرکیف بازار کا رنگ دیکھتے رہنا چاہیے۔ میں نے تو برہم کھاوائے خواجہ سے تعارف حاصل کیا تھا بفضلہ وہ اب بھی موجود ہے۔ سوت والا مضمون غالباً اول ہی پرچے میں تھا۔ خوب تھا۔ یہاں تو موت سامنے ہے مضمون کی کیا ضرورت۔ لیکن نیچر موجودہ کا اقبال زمانے کو بدل رہا ہے سنیاسی اور ووٹ بازی کا شوق۔ تیبو تیبو۔ میں گھبراتا تھا کہ ٹل جاؤں لیکن طبیعت بدل گئی۔ بقول آپ کے اب غالباً وہ کوتاہ نظری اور گھبراہٹ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ان کے لئے ایک دلچسپ منظر ہے۔ میں اپنی جگہ خاموش ہوں۔ کوئی آئے تو کیوں بھاگوں۔ کبھی حکیم صاحب سے آپ کا ملنا ہوتا ہے یا نہیں۔ سنا تو ہے کہ وہ بھی یہاں آنے والے ہیں۔ اگر رعیت تصوف کا بھی حامی ہو تو مضامین لکھ سکوں۔ گھر میں سب کو دعا۔ کیا آپ روزہ رکھ سکتے ہیں؟

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۳۱ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ دو دن سے رعیت نہیں آیا۔ کیا معاملہ ہے۔ امید ہے کہ

[لہ] روزانہ اخبار جاری کرنے کا مشورہ لیا تھا اس کا یہ جواب ہے۔ ۱۲

سب خیریت ہو۔ جب حالات موجودہ پر نظر کرتا ہوں تو شاعری کا قافیہ بھی تنگ پاتا ہوں۔ مفر صرف اللہ ہی اللہ میں ہے۔ لیکن یہ بات نہ کہیں کہیں اور نہیں سنیں۔ اپنی خیریت لکھیے۔
عفت مآب مجلس خواتین نے آپ سے مدد چاہی ہے۔ وہ پرچہ میں نے والدہ عزیزان کو بھیجدیا ہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔　۵ ، جون ۱۹۲۰ء

جناب من۔ رعیت آیا۔ اطمینان ہوا۔ طبائع کا اختلاف دیکھیے۔ لکھنؤ سے ماجد کمپنی نے سالونیکا[1] کی داد دی۔ لیکن یہ مستند نہیں۔ آپ نے اپنی تصویر خوب کھینچی۔ لیکن میں اس سے بہتر کھینچ سکتا ہوں۔ خیر دن گزر رہے ہیں۔ عمر کٹ رہی ہے۔ گرمی شدید ہے۔ طریق عمل میں بڑی ابتری ہے۔ خدا جلد اصلاح کی صورت پیدا کرے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔　۷ ، جون ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ آپ نے مجھے گھمن[2] کا عاشق بنا دیا۔ ماشاءاللہ کیا زبان، کیا بیان، کیا سین ہے۔

بھائی محمد حسین وہی جو بہت جھک گئے ہیں، شدت سے علیل ہیں۔ مشکل سے بولتے ہیں۔ یاد ہاٹ کبھی سنائی دیتا ہے۔ بظاہر مہمان نفس چندے ہیں۔ اللہم سب کی عاقبت بخیر کرے۔

اکبر۔ الہ آباد۔　۹ ، جون ۱۹۲۰ء

---

[1] اخبار رعیت میں سالونیکا والے شعر پر اعتراض ہوا تھا۔ اس کا اشارہ ہے۔ اسی پرچہ میں حسن نظامی نے اپنا حلیہ لکھا تھا۔

[2] روزانہ اخبار رعیت دہلی حسن نظامی کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا اور اس میں ایک مشہور آدمی کا روز حلیہ شایع ہوتا تھا۔ گھمن کا حلیہ حضرت اکبر کو پسند آیا جو غیر معروف، غریب، مگر نمازی مسلمان ہے۔ ۱۲

ڈیر خواجہ صاحب۔ نماز میں جی نہ لگنے کا مضمون خوب ہے جزاک اللہ۔ میرا ایک شعر سُن لیجئے ؎

یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیئے پڑھنا نماز یہ بھی سن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیئے

مضمون ایسا ہے کہ جہاں تک لکھیے گنجائش ہے۔ ابھی تو یہاں شدید گرمی ہے۔ لیکن غالباً پانی برسا ہی چاہتا ہے۔ آپ سے ملنا ہو تو بہت مسرت ہو۔ دہرہ دون میں ایک دولتمند بزرگ مدعو کرتے ہیں۔ لیکن میں سفر کے قابل نہیں ہوں۔ آپ کو بیفکری کیونکر ہو سکتی ہے۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ کم تو موٹ ہر حالت میں آپ کے پیش نظر ہے۔ خودداری کا بھی خیال رہے۔ قلم سلامت رہے۔ دل کا بوجھ اتارا کرتا ہے۔ ہو سکے تو الہ آباد آئیے۔ مریدین بھی زیارت سے مشرف ہوں۔ میں نے سلیمان سے کہدیا کہ نماز والا مضمون سمجھ لے۔ محمد حسین میاں بدستور ظاہرا حالت نزع میں ہیں۔ خواجہ بانو اینڈ کمپنی کو دعائیں۔ اُن کے احسانات کو بھولا نہیں۔

ع باز ہوائے چمنم آرزو ست

حسین کی کیا عمر ہوئی ؟ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۲ جون ۱۹۲۰ء

جناب من۔ گھوڑا مر گیا : تانگا ٹوٹ گیا۔ کیا اچھے فقرے تھے مزا آگیا۔ شکستہ حالی بحال۔ داتا کا خیال۔ فقر کا رنگ۔ طاعت کی امنگ۔ اللہ ہی کے آگے ہاتھ۔ زندگی کے لیئے دنیا کا زبانی ساتھ۔ درویشوں کا جتھا۔ حق حق اور برہم کتھا۔ خواجہ حسن لاکھ برس۔ اللہ بس باقی ہوس۔ محمد حسین میاں رات کوچ کر گئے۔ ساتھ کے کھیلے ہوئے تھے۔ ہمہ تن پرانا مضمون اوپر خدا نیچے افیون۔ دل عبرت زدہ ہے دنیا غمکدہ ہے۔ نیدھا کی آواز آئی میرا اسلام لکھدیجئے۔ چھیدی میاں کہتے ہیں کمترین کا آداب۔ گرمی نے حواس کھو دیے ہیں۔

لہ یہ خط بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ نثر میں نظم ہے۔ حسن نظامی نے لکھا تھا میرا گھوڑا مر گیا، تانگہ ٹوٹ گیا۔ اس کے جواب میں یہ موتیوں کا مینہ برسا ہے۔ محمد حسین حضرت اکبر کے مکان میں رہتے تھے۔ خرچ حضرت کے ذمہ تھا۔ انہیں کے ہاتھ تھے۔ اللہ اللہ کا

کرنا چاہیئے۔ ہم کیا اور کوئی کیا۔ اللہ ہی اللہ ہے۔

طریقت والی نظم میں اضافہ ہوا ہے۔ چند اور اشعار کے ساتھ انشاء اللہ بھیجوں گا۔

گھر میں سب کو دعا۔ بھائی سانولیا صاحب کو سلام شوق۔ معلوم نہیں اب اُن کے ہاں گائے یا بھینس ہے یا نہیں اور آپ کو دودھ اور گھی اچھا ملتا ہے یا نہیں؟

اکبر الہ آباد۔ ۲۰ر ستمبر ۱۸ء

مکرمی سلمہ خطیب میں تو کچھ نہ تھا۔ معارف کو اور افادہ کو لکھا تھا اطلاعاً۔ صدائے برنخواست۔ اس سے معلوم ہوا کہ خفیف بات سمجھی گئی۔ مسز عشرت لکھنے والی تھیں پریا وا ہیں۔ ناگہانی حادثہ پیش آیا۔ الزام دیا گیا ہے کہ بے پردہ نظر آتا۔ خلاف واقع کہا گیا ہے۔ اس کی تردید چاہیئے۔ مجھے تو چشم دید گواہوں نے کہا۔ دوسرے یہ کہ جو خطرات ساختہ پرداختہ والی نظم میں ظاہر کیئے گئے۔ وہ بے اصل اور شرمناک ہیں اس کی تردید چاہیئے۔ خواجہ بانو بھی رائے ظاہر کریں۔ ہاں تیسرا الزام یہ تھا کہ میں سختی کرتا ہوں۔ میں نے کہہ دیا کہ نہیں۔ اس سبب سے نہیں کہ بے پردگی کے نتائج بد ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ یورپ خود آزاد ہونے سے نالاں ہے۔ لہذا خواتین کو خود سمجھ لگی۔ سختی کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ضرورت ہو تو لکھا جائے ورنہ حوالہ فطرت۔ چند روز بعد کسی اور تقریب سے بحث چھڑی جائے۔ آپ کے کارڈ نے ذرا زندہ کر دیا ورنہ میں تو کم ٹوموت کی طرف ہوتا جاتا ہوں۔ ع۔ کاندر کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ولی عہد ریاست پریاواں آپ کی کل تصانیف منگوانے والے ہیں۔ [۱]

ا۔ ح۔ الہ آباد۔ ۲۴۔ ستمبر ۱۸ء

---

[۱] ۔ اخبار تہذیب نسواں نے حضرت کے اس کلام کی مخالفت کی تھی جو عورتوں کے بارہ میں ہے۔ ۱۲

پیارے خواجہ صاحب۔ آپ نے میری غیبت میں غائبانہ حق اخوت اسلامیہ ادا کیا۔ اور ہمارے نوجوان جنگ جو دوستوں کو سمجھا دیا کہ "وہ بہت ضعیف ہوگئے ہیں۔ لڑنا میں ہیں نہیں چاہتے۔ انھوں نے یہ کہکر جان بچائی کہ میں کچھ مزاحمت نہیں کرتا۔ پُرانی شاعرانہ نظمیں ہیں" جزاک اللہ۔ اُمید ہے کہ آپ کے دل میں بھی یہی ہو۔

درحقیقت وہ تحریر مجھ پر ایک ذاتی حملہ ہے جس کا مقابلہ میں نے حلم سے کیا اور صداقت کو نہیں چھوڑا۔ زیادہ طعن وظرافت ممنوع ہے۔ خانہ جنگی بُری ہے۔ میں خود اس کے خلاف وعظ کرتا ہوں۔ یہ اثرات اور جانب سے آرہے ہیں۔ اس کے خلاف دعا کرنا چاہیئے۔ یعنی مغربی خواہشیں۔

آپ نے مجکو پرچہ بھیجدیا۔ عشرت میاں نے پرچہ بھیجدیا۔ میر منشی صاحب نے پرچہ بھیجدیا۔ اسی سے ظاہر ہے کہ میری ذاتی بات سمجھی گئی۔

میری نظموں نے پردے کے جذبات نہیں قائم کیے بلکہ قوم میں پردے کے جذبات سے میری نظمیں پیدا ہوئیں۔ قرآن اُن کا موئید۔ تجربہ اُن کا سفارشی۔ پردہ کہاں جاتا ہے اور میری نظموں کو کون مٹا سکتا ہے۔ ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

فنا اور انقلاب سے مجبوری ہے۔ لیکن بڑا حصّہ ہنوز محفوظ ہے۔ خدا محفوظ رکھے

سُنا ہے کہ تہذیب نسواں نے ایسی تمہید لکھی ہے کہ گویا اُس نے فتح پائی۔ کوئی پوچھے کہ میں نے بے پردگی کی کب اجازت دی۔ حق شعر گوئی سے کب دست بردار ہوا؟ تعلیم و آزادی مغربی کی کب اجازت دی۔ ہمارے دوست ان باتوں کو پوچھ سکتے ہیں۔ اسی وقت مجکو بھی موقع ملیگا۔ میں نے چاہا تھا کہ تہذیب نسواں کو پھر لکھوں۔ لیکن سمجھا کہ آپ لوگ اسکو پسند نہیں کرتے اور میں نے خود بھی ناپسند ٹھہرایا۔ کیا عجب عشرت کی دلہن کسی پرچے میں کچھ لکھیں۔

بعد تحریر اس خط کے ایک خط سید سلیمان صاحب ندوی کا ملا بھیجتا ہوں۔ بعد ملاحظہ واپس فرمائیے۔ بیگم صاحبہ بھوپال بھی پردے کی حمایت میں کچھ لکھ رہی ہیں۔ لیکن سید سلیمان صاحب کہتے ہیں کہ بے پردگی غالب آئیگی۔

مجکو اپنی ایک نظم یاد آئی جو حال ہی کی ہے۔ یعنی جب دسمبر گذشتہ میں سروجنی نائڈو صاحبہ مجھ سے ملیں اُس کے بعد کی ہے

اِدھر جوانوں کو ہے یہ سودا کہ سیر بازار اُنھیں کرائیں

اُدھر خواتین عصمت آرا ہنوز مست اپنی نوج میں ہیں

مگر یہ قید حرم کہاں تک حجاب کے دن۔ نقاب کب تک

کہ گبرو ترسا کی لیڈیاں اب تحریک واعظ کی فوج میں ہیں

اکبر۔ الہ آباد۔ ۵ ستمبر ۱۹۱۸ء

ڈیر خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ الحمد للہ کہ آپ کلکتے نہ جاسکے۔ آپ اس کام کے لیئے نہیں بھیجے گیئے۔

میں نے اپنا مضمون دیکھا۔ ایک حرف بھی واپس نہیں لے سکتا۔ واحدی۔ صاحب کی غلط فہمی تھی۔

میں نے لکھدیا کہ تہذیب نسواں کو تہذیب مسلمات ہونا چاہیئے۔ قرآن کو دیکھو۔ تعلیم کا مخالف نہیں ہوں۔ لیکن تعلیم مذہبی اور خانگی ہو۔ لکھدیا کہ شہادت کی بنا پر بے پردگی کی شکایت کی تھی۔

میرا یہ لکھنا کہ پرانی نظمیں ہیں۔ اس امر کے جواب میں تھا کہ بہت شوخی اور طعن سے نظمیں لکھی گئیں۔ میں نے لکھا کہ پرانی نظمیں ہیں اور حالات سوسائٹی کے مختلف ہیں۔ کسی جگہ اُن کی ضرورت تھی۔ کونسی بات رہ گئی۔ لیکن میں نے اسی ترکیب سے لکھا کہ اُنکو تسلیم

کرکے اظہار مسرت پر مجبوری ہوئی یا فقرے ہیں آگئے۔ انکو کوئی کہہ سکتا ہے کہ کوئی آزادی نہیں تسلیم کی گئی۔ پھر کیوں اظہار مسرت کرتے ہو آپ کے خط نے جو اُسکے ساتھ ہے اور تعلیمی نظم بھی اس میں شامل ہے مطلب کو پورا اور واضح کردیا۔ میں نے قرآن پر زور دیا۔ مسلمات کی تخصیص بتائی۔ تعلیم کو محدود کردیا گھر ہی میں دیوی بنے رہنے کو کہا اور کیا چاہیئے۔

ہاں بیگم صاحب نے آخر میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا جو ذکر کیا ہے اُس پر کوئی کچھ لکھے کہ کیا تم نے پردے کو دفن ہونا سمجھا ہے۔ یہ تو خدا نے تمہاری عزت بڑھانے اور تمہاری فضیلت کے لیئے تم کو پردے کا حق دیا ہے۔ کیا خوشی ہوگی کہ آپا کی حسرت ہے دل کے پیچھے پھرو۔ اگر انقلاب مجبور کرے تو وہ صدمے کی بات ہوگی۔ نہ کہ ترقی تہذیب کی اور پھر عورتوں کے مدارج ہیں۔ واحدی صاحب کو یہ خط بھیجدیجیے۔ چاہا تھا کہ انہی کو لکھوں لیکن معاملہ واحد ہے:

حور بانو کی فاطمیت سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ خدا صاحب نصیب کرے۔ دعا کہدیجیے کاش آپ کے ساتھ وہ بھی آسکیں۔ والدۂ سیادکو اُن سے بہت محبت ہے۔ کیا تہذیب نسواں آپ واپس چاہتے ہیں؟

خواجہ بانو صاحبہ کو بھی دعا۔ بیگم کتنے دن کے لیئے جائینگی۔ کون ساتھ ہوگا؟

اکبر حسین ۔ الہ آباد ۔ ۷ ستمبر ۱۹۱۸ء

میرا یہ کہنا کہ میں انقلاب کو نہیں روک سکتا۔ یہ اشعار صرف یادگار انقلاب ہیں۔ یہ معنی نہیں رکھتا کہ آصف جہاں صاحبہ کی دھمکی میں آگیا۔ یا ڈر کے مارے اپنی رائے بدل دی میرے کلیات حصہ دوم کو ذرا اٹھایئے صفحہ ۸۳ میں چوتھا شعر ملاحظہ فرمایئے:

نظم اکبر کو سمجھ لو یادگار انقلاب ۔۔۔ یہ اُسے معلوم ہے ٹلتی نہیں آئی ہوئی

یہ پرانا شعر ہے دیکھ لیا جائے کہ میری رائے یہی تھی اور ہے اور ہر سمجھدار آدمی اس سے

اتفاق کرنے پر مجبور ہوگا۔ حصہ دوم کے صفحہ ۵۰ میں چودھواں شعر یہ ہے

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہوگئے بیگم کی نوج سے

یہ محض شاعری و ظرافت ہے۔ یہ شہادت تو مقبول عام ہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۹ ستمبر ۱۹۱۶ء

میرے مکرم۔ اللہ خوش رکھے۔ آپ نے دونوں خطوں میں خوب امتیاز کیا۔ میں نے خود دیکھ لیا تھا۔ ایک شعاع طاقت، ایک دل کا ثبوت۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ پوسٹل اسٹامپ واپس نہیں کیے۔ وہ کسی دن کام میں لاؤں گا۔ مجھے کہاں نہیں ہیں۔ میں نے احتیاطاً لکھ دیا تھا کہ آپ نے دل سے کہا ہوگا۔ تصنع کا شبہ ہوتا تو لکھتا ہی نہ۔

صبح کے خط میں جن اشعار کا حوالہ ہے ان سے بات صاف ہوگئی۔ آج زیادہ درد سر رہا۔ پھر خط لکھوں گا۔

آپ نے دیکھا کہ گنگا کا جلسہ گورنمنٹ نے نہ ہونے دیا۔ ہاں ایک بات تہذیب نسواں کی نسبت لکھنا بھول گیا۔ یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ جو کرتے ہیں مرد کرتے ہیں، عورتیں ان کے تابع ہیں۔ جواب دینا چاہیے کہ تم نے سچ کہا۔ لیکن یہ اشعار بھی مردوں ہی کو تنبیہ کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔

تاریخ دوازدہ امام میں نے بدایوں سے منگائی تھی للعہ قیمت تھی لیکن بالکل مایوس ہوا۔ صرف قصیدہ خوانی ہے۔ بہت تھوڑے حالات ہیں کہیے تو بھیج دوں؟ آپ مفصل لکھیے۔ میں نے تو سیرۃ فاطمہ کو بھی بہت مفید نہ پایا۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۹ ستمبر ۱۹۱۶ء

پیارے خواجہ صاحب۔ اللہ سے ملے رہیے۔ میری رائے میں پیر بھائی کو ابھی

دل ہی میں رہنے دیجیے۔ اُن کو مہمان بنا کر اپنے بار تعلق میں اضافہ نہ کیجیے خیال بہت اچھا ہے بلکہ ضروری کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مرزا بھائیوں کے حواس درست ہونے دیجیے مالی نقصان کا کوئی پہلو نہ ہو جب بھی یہی کہوں گا۔ لیکن بہرحال آپ کا ہمدرد رہوں گا۔

حوادث کلکتہ کے متعلق کوئی خیال موزوں ہوا ہو تو آپ اسکو طلب فرماتے ہیں میں آپ کو اس طلب کی داد دیتا ہوں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صورت حال بہت مشتبہ ہے دیکھیں آپ کی نگاہ نے کونسا رُخ اختیار کیا ہے۔ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ خاموشی کے ساتھ انا للہ و انا الیہ راجعون کے سوا اور کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ آپ نے کم ٹو موت کہا ہے کم ٹو گورنمنٹ ہاؤس نہیں کہا۔

جوش خاطر ایک طبعی چیز ہے۔ لیکن آپ کا سپاہیانہ رنگ نامعتبر ہے۔ میں اپنا مافی الضمیر شاید ادا نہیں کر سکا ؎

بہرکیف اتنا ہی کہنا چاہیے کہ ان واقعات کا بہت افسوس ہے۔ امید ہے کہ گورنمنٹ مہربانی سے کام لے۔ اور یہی دعا کرنی چاہیے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

میں خوش ہوا کہ آپ کی بی بی بچے آپ کے مرید ہوئے۔ اللہ اس گھر پر برکت نازل کرے۔ ایک دن سب کی دعوت کر دوں گا آپ ہی مہتمم ہونگے۔ کہکشاں کا بڑا درج ہے لیکن ہم سے دور ہے۔ شریعت و طریقت والی نظم تیار ہے بھیجدوں گا۔

اچھا ہوا اقبال[1] کی بی بی نے توبہ کی بیعت کرلی۔ اب وہ چراغ سحری ہے۔

نیازمند۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۸ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ایک خط برادرم نواب شیخ احمد حسین خاں بہادر رئیس پریاواں کا ابھی آیا ہے۔ آپ کا ذکر خیر بھی ہے۔ آپ کا روز افزوں تقرب قلوب محل مسرت ہے مجکو اپنا یہ شعر یاد آیا ؎

[1] اقبال حسین حضرت اکبر کے بھانجہ ہیں انکی بی بی نے مرنے سے پہلے حسن نظامی سے بیعت کی تھی۔ ۱۲

اللہ کو جگہ دو تم اپنے دل میں اکبر اللہ خود ہی دے گا تم کو جگہ دلوں میں

نواب صاحب نہایت قابل، اور دانشمند، اور منتظم اور خیالی ازروائد شخص ہیں۔ کل کے خط میں پیر بھائی اور کلکتہ کی رہائی کی نسبت میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اسکو سرسری سمجھیئے۔ ممکن ہے کہ بعد غور اس کے خلاف رائے قائم ہو؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۱۸ء

پیارے خواجہ صاحب۔ عمریں گزریں آپ کا پتہ نہیں۔ بہرحال یہ اطمینان ہے کہ آپ خدمتِ خلق میں مصروف ہیں۔

۵ اکتوبر سے ۸ اکتوبر تک بائیں پہلو میں ریاحی درد سے شدید تکلیف رہی مسہل سے افاقہ ہوا۔ میں اپنی شکایات لاحقہ اور درد سر اور خفقان کے دوروں کو بہت کچھ سمجھتا ہوں لیکن فطرت ان کو کافی نہیں سمجھتی؛

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۸ء

جناب من۔ خواجہ بانو کی خیریت سے فی الفور مطلع فرمائیے۔ طبیعت کو بیحد تعلق ہے۔ آپکو اطمینان ہو تو مجھ سے ملیئے۔ میں بسبب نادرستی مزاج اور پریشانی دماغ کے اپنے دلی طریق سے بہت کم فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ بیماری اور موت یہاں بھی ہے۔ کہاں نہیں ہے۔ پیداوار ارضی کو نئے طریق ارتقائی کے جنگ آوروں نے بے موقع اور بے حساب صرف کر کے ہوا کا اعتدال خراب کر دیا ہے۔ فطرت بہرحال اپنا حساب درست کر لیگی۔ قدسی صاحب کو سلام شوق۔ میں ناقابل بیان تردوات میں ہوں۔ ذرا حواس درست ہوں تو یکجائی کی راحت حاصل ہو۔ آپکے پیر بھائی صاحب پر کیا گزری۔ میں نے جس خیال سے تامل کیا تھا وہ ایک لطیفہ ہے۔ کبھی سنیئے گا۔

نواب محمد اسحاق[1] صاحب مرحوم نے اچھی جگہ پائی۔ ہم کو بھی ایسی آرام گاہ کی امید دلاتے ہیں تو حاضر ہو جاؤں:۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ عشرت میاں کا خط ابھی آیا اس میں لکھا ہے کہ نواب والی مانا ودر جن سے اجمیر شریف میں ملاقات ہوئی تھی۔ انفلوئنزا میں انتقال کر گئے۔ عشرت میاں نے اور موتوں کی خبر بھی لکھی ہے اور اخیر خط میں لکھا ہے کہ زمانہ سکھا رہا ہے کہ زندگی پر بہت بھروسا نہ کرنا چاہیے۔ میں خوش ہوں کہ اس عمر میں ان کو یہ خیال آ گیا۔ لکھوں گا کہ جب پلیگ نہ ہو اس وقت بھی یہی خیال ضروری ہے۔ کاش یہ خیال دل میں اس قدر جاگزیں ہو کہ دنیاوی مصائب کی پروا نہ رہے اور خواہشوں کے نہ پورا ہونے سے جو ملال ہوتا ہے وہ نہ ہو۔ ایک خط صبح کو بھیج چکا ہوں:۔ اکبر الہ آباد۔ ۲ر نومبر ۱۹۱۸ء

ڈیر خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ الحمد للہ خواجہ بانو نے صحت پائی۔ آپ نے خوب لکھا کہ زندہ رہا تو آؤں گا۔ اس شرط نے آپ کی باخبری ثابت کی۔ زندہ باشی:۔
اکبر۔ الہ آباد۔ ۷ر نومبر ۱۹۱۸ء

پیارے خواجہ صاحب! ہمہ تن انتشار اور اس سبب سے ہمہ تن دعا ہو رہا ہوں۔ خدا آپ سے جلد ملائے۔ کچھ بار دل اترے۔ پورا بار دل تو جامۂ خاکی کے ساتھ اترے گا کل راجا میاں کی حقیقی بہن صغرا بی بی نے نمونیا میں صرف چار دن علیل رہ کر انتقال کیا۔ سمجھ

---

[1] نواب محمد اسحاق خاں صاحب مرحوم درگاہ حضرت محبوب الٰہی رضہ میں دفن ہوئے ہیں۔ اسکی نسبت لکھتے ہیں اور اپنی قبر بھی اسی درگاہ میں چاہتے ہیں مگر آہ کہ میری اور اُن کی یہ حسرت پوری نہ ہوئی۔ حسن نظامی۔

چھوٹے چھوٹے چھوڑے اُن کے میاں سب اسسٹنٹ سرجن ہیں۔ نہایت شریف نیک
اللہ بچوں پر رحم کرے۔ ہم سب کو بہت صدمہ ہوا۔ یہ لڑکی زاہد میاں کی حقیقی سالی۔
میری حقیقی بھانجی اور نہایت خوش مزاج اور ملنسار تھی۔ عشرت دورے پر ہیں۔ وہ خبر
محض لغو ہے خیراتی کسی کام سے عشرت کے پاس گیا تھا کلن میاں کو اختلاج قلب زیادہ
تھا نواب صاحب اُن کو لکھنؤ لیگئے تھے طبی مشورے کے لیئے اب واپس آئے ہونگے۔ اچھا
ہوا خواجہ بانو درویش خانے میں آگئیں۔ درویش خانے کی خدا مجکو بھی زیارت نصیب کرے

اک نعمت ہے اک جنت ہے فارغ ہو جو دل اندیشوں سے
کس طرح یہ نعمت حاصل ہو کر اسکی طلب درویشوں سے

خاکسار۔ اکبر۔ ۲۴ر نومبر ۱۹۱۸ء عیسوی

حضور والا۔ خط لکھنے کو کاغذ اُٹھایا۔ اس پر حضور والا لکھا ہوا تھا۔ پہلے خیال آیا
کہ کاٹ کر معمولی القاب لکھدوں پھر کہا کہ یہ دقت اور بدنمائی کیوں؟ کاغذ بہتیرا ہے اور کاغذ لیلو۔
پھر دل نے کہا کہ خواجہ صاحب کیوں حضور والا نہیں ہیں اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ
اُن کو حضوری خدا یا حضوری دل حاصل ہے۔ جیسے اللہ والا کہتے ہیں ہم اُن کو حضور والا
کہیں ہیں اپنے دل سے خوش ہوا۔ اس وقت عشرت سلمہٗ کا خط دورے پر سے آیا ہے۔
۲۳ر نومبر کا لکھا ہے۔ انگریزی میں ہے۔ ایک فقرے کا ترجمہ آپ کو سناتا ہوں۔
"میرے شیعہ ہونے کی خبر سے زیادہ کوئی خبر لغو اور مہمل اور غلط نہیں ہو سکتی"
میں نے اقبال کو لکھا ہے کہ وہ پرچہ جس میں تم نے یہ خبر پڑھی مجھکو بھیجدو۔ خواجہ
صاحب بلا کسی اندیشہ کے پریاواں تشریف لے جا سکتے ہیں۔ اقبال کا جواب آئے تو
خواجہ صاحب کو خط لکھوں۔ اگر درحقیقت ایسی خبر دروغ چھپی ہے تو میں نہایت زور سے
اُسکی تردید شائع کرونگا اور میں اس کا تفحص کرونگا کہ اس خبر کا مصنف کون ہے۔ میں

اس قسم کی بات کو دبا دیا یا نہ چھوڑوں گا "

سن لیا آپ نے عشرت کا خیال :

اکبر۔ الہ آباد ۔ ۲۵ر نومبر ۱۹۱۸ء

مکرمی زاد لطفہ ۔ جنوری میں تو شدید سردی شروع ہو گی اور ۱۲ر فروری تک رہیگی۔ لحاف لپیٹ کر ریل پر بیٹھ جائیے۔ ہاں وہاں کے پبلک جلسوں میں دلچسپی ہو تو ضرور دل خوش کیجیے۔ خوشی سے صحت بڑھتی ہے۔ میں تو ہیجان سودا سے معذور ہو جاتا ہوں ورنہ کب کا دہلی میں ہوتا۔ ابھی ارادہ باقی ہے۔ اللہ راست لائے۔ لیکن بعد فروری۔ دنیا سے بہت دل برداشتہ ہوں باوجود اس کے آپ سے ملنے کا مشتاق ہوں۔ یا تو یہ سبب ہے کہ آپ کا بھی دلی تعلق اسی عالم سے ہے یا میری خامی ہے۔ جو کچھ ہو۔ خلوص محبت کا اقتضا یہی ہے کہ ملنے کو دل چاہے۔ خدا ایسی خواہش کی عمر زیادہ کرے۔ بہت معنی خیز اور حکمت افروز مکالمت کی امید ہے حسین کا حال سنکر انبساط ہوا۔ اللہ تندرست رکھے :

اکبر۔ الہ آباد۔ ۴ر دسمبر ۱۹۱۸ء

مکرمی۔ ممکن ہے کہ مسلم لیگ کو آپکی شرکت سے کچھ فائدہ پہنچے۔ اگر ایسا ہو تو شرکت ضروری ہے۔ لیکن جنوری میں سردی سخت تر ہو جائیگی۔ بہر حال اپنی خیریت سے مطلع فرمایئے :

اکبر۔ الہ آباد۔ ۹ر دسمبر ۱۹۱۸ء

مکرمی زاد لطفہ۔ میں نے لکھا کہ لیگ کو آپ سے فائدہ پہنچے گا۔ یہ صحیح ہے۔ اگر وہ فائدہ اٹھانا چاہے۔ لیکن ایسا کیوں ہوگا۔ یہ کہتا ہوں کہ آپ کو فائدہ پہنچے گا۔ لیکن اظہار خیالات کے لیے دائرہ معلومات وسیع ہوگا۔ لیگ تو ۳۰ یا ۲۹ سے ہے۔ یہاں

آنے کے لیئے وقت کافی ہے۔ بشرطیکہ طبیعت صحیح اور دل آمادہ ہو۔ خدا مجھے بھی حسین کی اللہ ہو سنوائے۔ زندگی رہی تو مناسب موسم میں پوری فیملی کو لائے۔ اک کپارٹمنٹ کرلیا جائے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۹، دسمبر ۱۹۱۸ء

ڈیر سر! کل کیا آپ نے تو پرسوں بھی خط نہ لکھا۔ میں منتظر ہو گیا۔ اس کارڈ کو الزام یا تقاضا نہ سمجھیے۔ کیا حالات تعلقات مواقع خطرات مصالح امیدیں پیش نظر ہے۔ کیا بیان کر سکتا ہوں۔ اللہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۲، دسمبر ۱۹۱۸ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ مہمانوں کی خدمت میں مشغول اور لیسنس یافتہ کوشش ترقی قومی کے تماشائی ہونگے۔ افسوس ہے کہ پنڈت جی کا جلوس رہگیا۔

کل صبح کو شوکت علی صاحب محمد علی صاحب مجھسے ملنے کو تشریف لائے میں بیخبر تھا صدہا آدمی بہت سے بیرسٹر ساتھ تھے۔ برآمدہ بھر گیا۔ لوگ باغ میں کھڑے رہے۔ ۱۰ منٹ گئے ہونگے اس ہنگامے میں میں کچھ نہ سمجھا کہ کیا باتیں ہوئیں۔ دعائے خیر لیکر رخصت ہوتے رامپور گئے۔ خدا انکو نیک اور مقبول بندوں میں داخل کرے؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۶، دسمبر ۱۹۱۸ء

پیارے خواجہ صاحب۔ احتیاطاً وہ تحریر اُسی دن کر دی گئی تھی۔ بیخبر سوداوی کے دورے اکثر ہو جاتے ہیں۔ جو اسباب انتشار طبع جمع ہو گئے ہیں اسی حالت میں وہ شدید تر محسوس ہوتے ہیں۔ اصلی علاج تو صبر ہی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ چاہتا ہوں کہ زندہ رہوں بھی تو زندگی سے چھپکر زندہ رہوں۔ کیا مشکل آرزو ہے۔

گھر میں سب کو دعا ؛ اکبر حسین ۔ الہ آباد ۔ یکم جنوری ۱۹۱۹ء

ڈیر خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ میں نے جس آیت یا جن آیات کے معنی کی نسبت لکھا ہے وہ صرف طالب العلمانہ گفتگو ہے ۔ اجتہاد یا افتا کا مدعی نہ سمجھیے گا ۔ بہرصورت ہم کو طلب مغفرت چاہیئے ۔ اللہ کے فضل کا امیدوار رہنا چاہیئے ۔

قومی جلسے ختم ہو گئے ہونگے ۔ امید ہے کہ آپ نے اپنا کام خیر و خوبی سے کر لیا ہو میں عشرت میاں کے اصرار سے یہیں مقیم ہوں کیونکہ وہ دورے پر جاتے ہیں اور آپکے معتقد یا امیدوار میاں ولی حسین بریاواں چلے گئے ہیں ۔ یہاں کوئی نہ رہ جائیگا ورنہ قصد تھا کہ لکھنؤ جا کر کلن میاں کی عیادت کرتا نواب صاحب ان کی علالت کے سبب سے وہیں مقیم ہیں ۔ جنون کا خلل معلوم ہوتا ہے ۔ سُنا ہے فقرا سے بھی رجوع کر رہے ہیں ۔ عشرت کہتے ہیں کہ نواب صاحب قریباً بیحواس یعنی بہت منتشر ہیں ۔ گھر بھر کو دعائیں ۔ نیدمعا اور سلیمان میرے ساتھ ہیں ۔ آداب بجا لاتے ہیں ؛

خاکسار اکبر ۔ پرتاب گڈھ ۔ ۲ / جنوری ۱۹۱۹ء

قرآن مجید میں محو تھا ۔ پھر آپ کا خط ملا ۔ اللہ میاں کی عربی ۔ حسن نظامی کی اُردو ۔ یہ بھی اللہ کی دین ہے ؛ ا ۔ ح ۔ ۸ / جنوری ۱۹۱۹ء

پیارے خواجہ صاحب ۔ وہ فقرہ جو کارڈ میں لکھا ۔ بلیساختہ قلم سے نکل گیا لیکن بعد کو دل پر بار ہوا ۔ شاید بے ادبی ہو ۔ لہذا اُسکو چاک کر ڈالیئے اور اگر میرا وہم آپ کے نزدیک کچھ اصل رکھتا ہو تو دعائے مغفرت کیجئے ۔ ایسے امور میں بہت مغلوب الاوہام ہوں ۔

اس میں شک نہیں کہ آپ کی تحریر بہت شگفتہ و دلچسپ تھی۔ اُن مضامین کے متعلق بہ شرط زندگی آئندہ خط میں کچھ لکھونگا۔ آپ نے بھی "باقی پرسوں" لکھکر منتظر کر رکھا ہے۔

اکبر بہ نیاب گڈھ ۔ ۹ رجنوری ۱۹۱۹ء

میرے مکرم۔ خدا آپ کو تندرست رکھے۔ غالباً تلاوت قرآن کی برکت ہے کہ حواس میں ہوں ورنہ اندرونی اور بیرونی اسباب انتشار طبع مہلک نہ ہوں تو جنون انگیز ضرور ہیں۔

اُن صاحب کو کچھ تقویت دی گئی ہے۔ اُبھارے گئے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر شورش رفارم میں بے اعتدالی ہوئی اور چند نوخیزوں نے پبلک میں صلح کل اور سوشل آمیزش کا کھوکھلا اور ناپایدار رنگ دکھایا تو دوسری طرف مذہبی تعصب جوز بردست اور مقدس بڑے میاں کے لقب کا مستحق ہے مذموم کیا جائیگا اور فرق مختلفہ میں شدید جنگ شروع ہوگی جس سے روشن ضمیر نوجوان بھی بالآخر نہ بچ سکیں گے۔ الا ماشاء اللہ خیر یہ تو ایک عام بات ہے۔ میں خود عجب وقت میں ہوں۔ پبلک نے فرض کر لیا ہے کہ میں بڑا محب قوم اور اول درجہ کا رفارم خواہ ہوں۔ حالانکہ میں قوم ہی کے وجود کو نہیں تسلیم کرتا۔ نہ رفارم کی طاقت ہے۔ میں نے لامذہبی اور تبدیل وضع کے خلاف قلم اُٹھایا تھا۔ نہ کہ گورنمنٹ کے خلاف۔

اس وقت آنریبل پنڈت موتی لال کا خط آیا ہے کہ قومی اخبار انڈیپنڈنٹ ۔ (آزاد) انگریزی روزانہ پرچہ ۵ فروری سے نکلیگا اپنا فوٹو فوراً بھیج دیجئے اور اشعار جن کا ترجمہ چھاپونگا (اللہ بچائے) ادھر یہ حالت ہے کہ حکام اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے کہ میں اخبارات سے تعلق رکھوں اور نظمیں بھیجا کروں۔ معذرتیں کیا کرتا ہوں۔ اڈیٹروں کے تقاضے چلے آتے ہیں۔ عشرت کا تعلق ظاہر ہے اور میرا تعلق بھی۔ پھر میری رائے بھی موافق نہیں ہے۔ میرا وعظ قناعت، محنت، توکل، سکوت، عبادت ہے لیکن یہ نہیں سمجھ سکتا کہ رفتار فطرت کس جانب ہے۔ ہر شخص کو اپنی حد جاننا چاہیئے۔ میں نہ معین نہ مزاحم۔

الحمد للہ کہ آپ اچھے ہیں۔ سختی کیوں ہوئی تھی؟ دعا فرمایئے گا کہ اللہ تعالیٰ امن میں رکھے۔ دل شکستہ کے ساتھ بقیہ زندگی حواس کے ساتھ بسر کر سکوں۔

میں اب ہرگز شہرت و نمود کا طالب نہ رہا محل امن یہی ہے کہ سب بھلائے رہیں۔

اکبر حسین۔ پرتاب گڑھ۔ ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۱۹ء

(واحدی صاحب کے نام)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ میری بے پروائی پر محمول کرتے ہونگے میں آپ سے ملنے کا مشتاق اور حاضر ہونے کا آرزو مند رہتا ہوں۔ کوئی دن نہیں گزرتا کہ یہ ذکر نہ آتا ہو۔ کروں کیا مجبوری ہے۔ وقت پر سواری نہیں ملتی جب ملتی ہے تو وہ معذوری کا وقت ہوتا ہے۔ مستعار کو دل نہیں چاہتا۔ خیال یہ ہے کہ شہر میں دو چار دس پانچ دن رہوں۔ آپ کے یہاں قیام میرے لئے قریباً نیچرل ہے۔ لیکن قضائے حاجت میں شاید تکلیف ہو۔ مجکو شب میں بھی ۵۔ ۴ مرتبہ ضرورت ہوتی ہے۔ علیحدہ کھانا پکنے کا بھی انتظام ہے۔ نادرستی طبع نے ایسا آزاد نہیں رکھا کہ مہمان بننے کی برکتوں سے فائدہ اٹھا سکوں خصوصاً جب آپ جیسے فیاض طبع میزبان ہوں۔ بہرکیف حاضر ہی ہونگا۔ پرسوں نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب مجھ سے ملنے کو آنیوالے ہیں۔ اس کے بعد انشاءاللہ بندوبست کروں گا۔ آج میاں عزیز کو چند اشعار بتا دیئے ہیں کہ آپکے پاس بھیجدیں۔ نظام المشائخ کیلئے۔ برادرم عارف صاحب کو بہت بہت سلام شوق؛ اکبر۔ الہ آباد۔

ڈیرہ سیر لکھنا چاہا تھا لیکن کرمی کے ہوتے ہوئے اس ثقالت کی کیا ضرورت؟ بہرحال سلمہ اللہ تعالیٰ یاد نہیں کہ آپکو خط لکھا یا نہیں۔ ذہن کو انتشار رہتا ہے شریعت و طریقت کی نظم انشاءاللہ دو ایک دن میں بھیجدوں گا۔ نقل لکھنے یا لکھوانے کی دیر ہے۔ زمین کے متعلق عشرت میاں نے

منظوری دی تھی۔ اُن سے پوچھنا چاہیئے۔ لیکن زیادہ تر میری ترنگ تھی۔ میرا یہ حال کہ اسکو ثبات نہیں اس وقت امید فرد انے ابھارا۔ اس وقت خیال ناتوانی نے بجھا دیا۔ ہے تو بہت اچھا خیال عشرت میاں کو لکھیئے۔

لکھنؤ سے آپ کا شکوہ سنا کہ بنی امیہ پر خواجہ صاحب کا ریویو مقابلہ مذہبی کے پہلو سے شورش انگیز ہے۔ میں نے دوسرا ایڈیشن دیکھا نہیں۔ نہ مجھکو کچھ دلچسپی ہے۔ لیکن عشرت سے ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ میں خواجہ صاحب کو لکھونگا۔

پرتاب گڈھ والوں نے ستر اسی روپیہ نذرانہ پیش کرنا چاہا تھا۔ لیکن آپ نے اچھا کیا کہ دامن بچایا۔ میں بہت خوش ہوا کہ ابن عربی کو آپ نے ندوے میں داخل کر دیا۔ خدا کرے وہ ایک بڑے عالم ہو کر زینت و فخر خانقاہ ہوں۔

کاش عقیل بھی داخل ہو جائیں۔ ابن عربی کی نگرانی کون کرے گا؟ زندگی رہی سکت پائی لکھنؤ پہنچا تو ابن عربی سے ملوں گا۔ حور بانو کو دعا۔ خواجہ بانو صاحبہ کو سلام۔ حسین علی کو پیار اور دعا۔

نیاز مند۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۳ر اگست ۱۹۱۹ء

مکرمی۔ اللہ کے حفظ و امان میں رہیے۔ بحث بنی امیہ کو میں عبادت میں داخل نہیں سمجھتا۔ اور مصلحتیں ہوں تو خیر ایک حد معقول تک جائز ہے۔ آپکی لو اللہ سے لگی رہے۔ قناپر نظر ہو۔ ارباب بصیرت کو آپ کے ساتھ عقیدت و محبت رکھنے کے لیئے کافی ہے۔

الہ آباد۔ ۲۰ر اگست ۱۹ء

پیارے خواجہ صاحب۔ چھ دن سے بستر پر پڑا ہوں۔ رگ رگ میں درد ہے۔ دو دن سے نماز بیٹھکر پڑھتا ہوں۔ بھوک نہیں ہے۔ زبان کا مزا خراب ہے۔ نزلہ ہوا تھا۔ کچھ بلغم سینہ پر ہے جو شاندہ پی رہا ہوں۔ الفتاسفادے۔ حصہ سوم کی ترتیب ہو جائے۔ دو چار مہینے کا کام ہے۔

آگے اللہ کی مرضی۔ زندگی کا شائق نہیں ہوں۔ اس کی ضرورت بھی نہیں کسی کی گود میں ہوں اور نہ کوئی گود میں ہے۔ چاہتا ہوں کہ وقت آخر آپ موجود رہیں۔ اقبال صاحب کا بھی خط آیا ہے مجکو آپ کی تصنیف متعلق یزید و معاویہ سے کچھ بحث نہیں ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے اخلاقی حالت کے اعتبار سے یہ سب کچھ لکھا ہے۔ نہ یہ کہ مسئلہ خلافت و امامت میں آپ نے مسلک شیعہ کی طرفداری کی ہو۔ اور کیا لکھوں۔ الکنو بر میں آئیے اور زیادہ رہیئے۔ حسن صاحب کی چٹھی آئی کہ مدت سے آپ نے خط نہیں لکھا۔ کیا خدا کی شان ہے۔ استغنا عجیب چیز ہے اگرچہ میرا استغنا کسی قدر مجبوری سے بھی ہے۔

ا ۔ ح ۔ الہ آباد ۔ ۲۶ ر اگست ۱۹۱۹ء

مکرمی۔ انتظار تو آپ کا تھا۔ مگر آپ کا خط آیا۔ اللہ حور بانو اور حسین کو شفا دے۔ یہاں بھی بہت لوگ مبتلائے بخار ہیں۔ مجکو اگر اللہ نے کچھ دنوں کے لیئے اور جلا رکھا تو یہی سمجھونگا کہ اپنے لیئے جلا رکھا ہے۔ جب ایسا ہے تو آپ اگر توجہ کرینگے تو اللہ ہی کی طرف سے۔ پرسوں تو مجھ پر بار تھا کہ مزاج پرسی والوں سے ملوں یا بات کروں۔ غذائے معمولی ہنوز نہیں ہوئی۔ بسا اوقات کھڑے ہونے پر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ چلوں تو گر پڑوں۔ قبض و تبخیر کے سبب سے ایسا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نے نسخہ بدلا ہے۔ آثار تو اچھے ہیں۔ میں آپ کو یہ خط خود لکھ سکا اگرچہ بار طبیعت ہے۔ عیادتوں کا سلسلہ قائم ہے۔ میں پریشان ہوں صحت ہوئی تو انشاء اللہ دہلی ہی کا رُخ کروں گا۔ دیکھوں آپ کہاں تک ساتھ دے سکتے ہیں۔ دل تو آپ ہی کو ڈھونڈتا ہے مگر خدا کے لیے۔ اللہ آپ کو اطمینان دے۔

اکبر ۔ الہ آباد ۔ ۱۰ ر ستمبر ۱۹۱۹ء

"ذرا اطمینان ہو تو حاضری خدمت کی کوشش کرونگا" یہ اگر یوں ہوتا کہ ذرا اطمینان نہ ہو تو حاضر

ہوں۔ تو ذرا اطمینان ہوتا۔ خیر جو اللہ چاہے گا وہ ہو گا۔ ہم سب مجبور ہیں :

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۱ر ستمبر ۱۹۱۹ء

محبوب نیازمندان و مخدوم معتقدان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ ابن عربی کو تو آپ نے ندوے سے اُٹھالیا تھا کیا پھر یہی تجویز ہوئی کہ پیارے میاں کیساتھ لکھنو بھیجدئے جائیں ماجد میاں صاحب کا خط آیا کہ ۲۰ ستمبر دشنبہ کو سید سلیمان صاحب اور دیگر احباب میرے مہمان ہونیوالے ہیں۔ لہذا اگلے سنیچر یعنی ۲۷ ر ستمبر کو آسکوں گا۔ کیا اچھا ہو کہ خواجہ صاحب اُس وقت یا اُس وقت تک تشریف فرما ہوں۔

میں نہیں جانتا کہ ۲۷ر کو عشرت سلمہ یہاں ہونگے یا نہیں۔ غالباً رئیس دلہن محرم کرنے بریاواں چلی جائیں۔ بہر حال ۲۰ر ستمبر کو یعنی پرسوں انشاء اللہ عشرت آئیں گے تو فیصلہ ہو گا۔

یہاں نوح صاحب آئے ہوئے ہیں۔ کل شاید واپس جائیں میری عیادت کو آئے ہیں۔ اکثر لوگ آپکو پوچھتے ہیں کہ کب آئیں گے۔ دو چار صاحب شوق ملاقات ظاہر کرتے ہیں۔

اپنا حال کیا لکھوں۔ دواؤں کی تیزی کا تحمل دماغ سے نہ ہوتا تھا۔ کل سے دوا نہیں پی۔ تبخیر شدید سے صبح شام بیچین یا دن بھر افسردہ رہتا ہوں۔ نمازیں بے تکلف قدرت قیام حاصل نہیں ہے۔ بہ نسبت پہلے کے ضرور کچھ افاقہ ہے۔ نصف پھلکا کھا سکتا ہوں لیکن منہ کا مزا ہنوز خراب ہے اللہ سے لو لگی ہے۔ آپ موت زندگی کے روحانی شریک ہیں۔ آپ سے اُنس ہے۔ ورنہ آخر کا با خداوند ہ

خدا ہی سے بالآخر کام پڑجاتا ہی ای اکبر نہیں ہوتا کسی کا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا

بچوں کو دعائیں۔ کاش آپ ۲۰ کو یہاں ہوتے۔ خدا کرے آپ بالکل تندرست ہوگئے ہوں بغیر اسکے کسی طرح سفر مناسب نہیں۔ آپ کی زندگی بہت قیمتی ہے۔ اور بہر کیف صحت ہی پر سوتسل لذتوں کا انحصار ہے :

اکبر حسین۔ الہ آباد ۱۸ر ستمبر ۱۹۱۹

مکرمی آج میں نے یزید نامے کو صفحہ ۱۳۹ سے یعنی آخر میں دیکھا۔ اس سے زیادہ ان حضرات پر کوئی کیا اعتراض کر سکتا ہے۔ میرا ہمیشہ سے یہی خیال ہے۔ مشورت بھی صحیح ہو لیکن کون سنتا ہے۔ بہرحال گوش رسیدہ اثرے دارد۔ آپ پر[1] احباب کے اعتراضات ہیں۔ میں تو آپ کی زیادہ شکایت نہیں کر سکتا۔ جب وقت کو دیکھتا ہوں۔ ملئے گا تو باتیں ہوں گی۔ بنی اُمیہ کی تاریخ سے میں واقف نہیں۔ کیا کہوں۔ کیا آپ پھر رائے کو تیار ہو سکیں گے۔ میں تو جناب امیر کو عارف کامل سمجھتا ہوں۔

اکبر۔ الہ آباد ۷ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

جناب خواجہ صاحب۔ اگرچہ بیماری نے دوالا نکالا ہے لیکن جی چاہتا ہے دوالی میں پھر آپ آئیں۔ اور آپ کے دیدار سے سب کی آنکھیں خنک ہوں۔ ہمت تو ہمیں کو باندھنا چاہیے کہ دہلی پہنچ جائیں۔ خدا قوت عطا فرمائے۔ ابھی تو میں اپنی معمولی حالت پر بھی نہیں پہنچا۔ لیکن امید ہے کہ جلد ایسا ہو پارسل کا شکریہ ادا کر چکا ہوں حسین کی خیریت سے جلد مطلع فرمائیے۔ ماجد صاحب آنیوالے ہیں۔ تین دن ہوئے خط آیا تھا کہ ہفتے عشرے میں آسکوں گا علیل ہو گیا تھا۔ ابن عربی خیریت اور خوشی سے ہونگے۔ آپ پشاور سے ہو آئے ہونگے۔ طمانچہ بروئے یزید کا منتظر ہوں۔ دوالی والا فقرہ دوالی کے جوڑ پر لکھدیا۔ بہرکیف ضرورت محسوس ہوئی تو خواہ مخواہ آپکو محبت کھینچ لائیگی۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۸۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کل میں حیرت میں رہگیا کہ حاذق الملک صاحب تشریف لائے

---

[1] یزید نامہ میں بنی امیہ کی مذمت کی گئی ہے۔ حسن نظامی کے سنی احباب ناراض ہوئے۔ حضرت کو شکایت لکھی۔ اس پر یہ فیصلہ کا خط آیا ۱۲

فرمایا بیٹھ نہیں سکتا۔ اکسپرس میں جا رہا ہوں۔ چند منٹ باقی ہیں۔ رنگون سے واپس آرہا ہوں۔ آپ کی علالت کی خبر سنی تھی اسلئے آپ کے پاس چلا آیا۔ اُن کے ساتھ ابن احمد صاحب بیرسٹر تھے اور دہلی کے ایک دولتمند ہندو تھے۔ میں نے اپنی معذوریاں ظاہر کیں اور کہا کہ دہلی آنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے بکمال شوق ظاہر کیا۔ اور بیساختہ فرمایا کہ میں حسن نظامی صاحب کو بھیجدوں وہ ساتھ آئیں۔ آپکی دلچسپی ہوگی۔ میں نے جی ہاں کہدیا۔

برن صاحب کمشنر بنارس کلکٹر الہ آباد کے پاس آئے تھے مجکو لکھا تھا کہ ۷ ارکو ۲ بجے صبح کو ملیے گا مسرت ہوگی۔ میں اپنی شکایت بول و براز کے سبب تردد میں تھا لیکن بہرحال تیار ہوا خبر آئی کہ سواری نہیں ملتی نہ اکہ نہ تانگا۔ نہ گاڑی۔ بلکہ سواری کو سڑک پر سے گزرنے ہی نہیں دیتے بعض مسلمانوں کو ہندوؤں نے سواری سے اُتار دیا۔ میں نے چھٹی بھیجدی کہ یہ حالت ہے کیونکر آؤں صاحب نے افسوس ظاہر کیا لکھا کہ ملاقات کی اور تاریخ مقرر ہوگی جب آپ آسکیں گے۔ یہ بھی لکھا کہ اس واقعہ پر آپ کچھ لکھیے۔ میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ آپ تو خود مصنف ان واقعات کے ہیں:

نیازمند۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء

مکرمی۔ صادق الملک بہادر کے ذکر کا یہ مطلب نہ ہونا چاہیئے کہ ان کے اہتمام میں یا ان کے فرستادہ آپ تشریف لائیں۔ اور مجھے پھر خواہ مخواہ ایک بار پڑے۔ حکیم صاحب نے غالباً ایک اتفاقی پیرایہ میں کہدیا تھا۔ بھول بھال گئے ہونگے۔ اگر ذکر آئے بھی تو فرما دیجئے گا کہ وہ خود آنیوالے ہیں۔ جب خط لکھیں گے تب ضرورت مدد کو موجود ہونگا۔

اس میں شک نہیں کہ صادق الملک صاحب کی میری جانب کشش ان کا شکرگزار بنانے کو کافی سے زیادہ ہے۔

آپ نے اپنے نوٹ میرے لطائف پر کسی پرچہ میں لکھے تھے۔ ان میں کچھ اور اضافہ

چاہتا ہوں۔ آپ ہی لکھدیں۔

ضعف مثانہ ہی کی شکایت نے بہت پریشان کیا ہے۔ خفقان و تبخیر سوداوی کا تجربہ تو سفر کے وقت ہو سکے گا۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

مکرمی جناب خواجہ صاحب۔ تعجب ہے۔ تردد ہے۔ افسوس ہے کہ اس عرصے میں آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ کچھ خبر نہ ملی۔ کیا ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ جلد مطمئن فرمائیے۔ خدا کرے سب خیریت ہو۔ میری حالت بدستور ہے۔ کئی خط لکھ چکا ہوں۔ آپ بیتی سب پڑھ لی۔ بہت خوب۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ آج عشرت میاں یہاں ہوتے ہوئے پریاواں گئے۔ آپ بیتی لیتے گئے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

مکرمی ایک خط صبح کو لکھا ہے امید ہے کہ پوسٹ کر دیا گیا ہو۔ آپ نے کیوں نہ پوچھا کہ دلی آنے کی کیا رہی۔ اگر یہ انتظار ہو کہ اعانت سفر کے لیے آپ بلائے جائینگے تو بسم اللہ دیر کیوں۔ اگر رائے بدلی ہو تو ادر ٹھکانا ڈھونڈھوں۔ یزید نامہ[1] کے آخر میں چند صفحات گویا میرے قلم سے آپ نے لکھے ہیں۔ اللہ آپ کو عزت و وقار سے رکھے۔ مطالب دلی برآئیں لیکن مطلب دلی یہی ہونا چاہیئے کہ اللہ کے بندے مستحق جنت ہوں۔ خود بھی اور بھی دنیا کی بے رونقی باعث الم نہ ہو۔ امید آخرت میں دل مصروف رہے۔ خدا تندرست رکھے بڑی نعمت ہے۔

ا۔ح۔ الہ آباد۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۹ء

---

[1] یزید نامہ کے آخر میں شیعہ سنی کے ملاپ کی تحریک تھی۔ ۱۲

آپ سے ملنے کو بیحد دل چاہتا ہے۔ میں نے اس سبب سے آپ سے ایفائے وعدہ کا تقاضا نہیں کیا۔ کہ خود ارادہ کر رہا ہوں۔ آپ کی معیت بہت مدد دیتی۔ لیکن خدا جانے راہ میں کیا اتفاقات پیش آئیں۔ آپکا حرج ہو اس خیال سے خاموش رہا۔ اگر زیادہ توقف ہوا یا کوئی امر مانع پیش آیا تو خواہ مخواہ تازگی دل کے آپ کو زحمت اٹھانی پڑیگی۔

اکبر حسین۔ ۲۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ خدا آپ کو تندرست کردے۔ بہت سی امیدیں آپ سے وابستہ ہیں۔ میں تو رات دن ہر گھنٹے پر ۵۔ ۷ منٹ تکلیف میں مبتلا رہتا ہوں درد سر کے دورے الگ رہے۔ خیر ؎

یہ عمر کب تک وفا کریگی زمانہ کب تک جفا کریگا

مجھے قیامت کی ہیں امیدیں جو کچھ کریگا خدا کریگا

انشاء اللہ بہ شرط زندگی و درستی ہوش و حواس ہفتے عشرے میں نیت سفر دہلی باندھوں گا۔ اس کا پورا ہونا اللہ کے ہاتھ ہے۔ درگاہ آگرہ سے آپ کا بلاوا ہوا ہے۔ کچھ تو یہ بات ہے کہ ہر گروہ کو خیال جمعیت پیدا ہوا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ آپ کی روز افزوں شہرت و وقعت نے دلوں کو آپ کی طرف مائل کیا ہے۔ گھی کی زحمت اس وقت نہ اٹھایئے۔ اگر توقف ہوا اور ضرورت ہوئی تو لکھوں گا۔ یہاں مکھن منگاتا ہوں۔ پونے تین روپئے سیر گھی نکل آتا ہے۔

الحمد للہ بچوں نے صحت پائی۔ اپنی خیریت لکھتے رہیئے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۳۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۹ء

ڈیر خواجہ صاحب۔ گاندھی صاحب کی توجہ نے مجھکو اندیشہ ناک کیا۔ لیکن آپ کیا کریں

آپ کی خواہش تو تھی نہیں۔ اگر چہ اب یہ ایک تماشائے جائز بنایا جاتا ہے اور مولوی صاحب کی حجت اخواجہ صاحب کی بیچ تسکین کے لئے کافی ہے۔ وہی حد ہے۔ انڈ ریوز کون بزرگ ہیں تثلیث کی تکمیل کے لئے یا اور کچھ؟ [1]

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۴ر نومبر ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ کیا خبر آپ کے کیا ارادے ہیں۔ مجھکو بھی دست اندازی کا حق نہیں ہے۔ مجھ پر جو تکلیفیں گزریں وہ بہت سخت تھیں۔ آج ۲۶ دن کے بعد نصف روٹی کا چھلکا کھا سکا ہوں ورنہ صرف حریرہ پی سکتا تھا طبیعت کسی قدر بحال ہے کل کی خبر نہیں ابھی نماز میں قیام نہیں ہو سکتا۔ میری طاقت صحت ہی میں کیا تھی لیکن جو کچھ تھی۔ کیا عجب ہے کہ غذا شروع ہو جائے پھر وہ جلد عود کر آئے۔ ڈاکٹر صاحب کی دوائیں مضر نہیں ہوئیں لیکن انکی تیزی دماغ بلکہ کل اعضا کو سخت تکلیف پہنچاتی رہی۔ اب جہانتک ممکن ہے اُس سے احتراز کرونگا۔

اکثر لوگ پوچھتے رہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کب آئیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ وہاں خود اپنی علالت اور بچوں کی بیماری سے پریشان ہو گئے۔ اور میری طرف سے آپکو کچھ اطمینان بھی ہو گیا۔ کہ ابھی مرنے میں دیر ہے۔

یہاں ایک عورت جانکی بائی شہرۂ آفاق ہے۔ میری بیحد معتقد ہے میں نے کبھی اجازت نہ دی کہ مجھکو گانا سنائے۔ کہدیا کہ عشرت کو سناؤ۔

عشرت آج گئے انشاء اللہ سنیچر کو پھر آئینگے۔ غالباً سنیچر کو شب کو جانکی بائی اُن کو گانا سنائے۔ ماجد صاحب کا بھی آنا قرین قیاس ہے۔ لکھ چکے تھے۔ اب میں نے

---

[1] مہاتما گاندھی اور پادری اینڈ ریوز حسن نظامی کے مکان پر ملنے آئے تھے۔ اخباروں میں خبر پہنچی تو یہ خط آیا۔ ح۔ ن۔

منتظر ہی رہی کہ ایسے وقت تشریف لائیں کہ عشرت یہاں ہوں۔ اپنی خیریت جلد لکھیے بچوں کو دعا ئیں۔ اللہ نے مجھکو توانائی دی اور میں نے دہلی کا قصد کیا۔ یہی دعا ہے کہ عاقبت بخیر ہو۔ ربنا اغفر لنا ذنوبنا و کفر عنا سیئاتنا و توفنا مع الابرار۔

الہ آباد۔ ۱۵ر ستمبر ۱۹۱۱ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کارڈ مطلع نہیں کیا گیا تھا۔ تمام اخلاص رہی لیکن قبض بھی میں خلل نہیں پڑا۔ آپ صاحبوں کی مہربانی تھی ورنہ اکسپرس میں لرزنہ نہیں کرتے۔ تمام راہ سخت درد سر رہا۔ لطیف و بامعنی ساتھی نہ ہونے کا خیال ہی نہ آیا۔ اوہام و خیالات بھی معطل تھے۔ صبح کو بالکل اچھا تھا۔ آپ کی کرامت یا نوسے درویش خانہ کی دعا کا اثر تھا۔ الحمد للہ بخیریت پہنچا۔ بخیریت ہوں۔ کچھ کاموں میں مصروف ہوں۔ طویل خط نہ لکھ سکا۔ لمپوں کا پارسل آ جائیگا تو رسید لکھوں گا۔ اور تشکر گزاری کروں گا۔ فرد حساب بھیجد یجیے۔ لحاف اوڑھ رہا ہوں؛ سلہ اکبر الہ آباد۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۱۱ء

پیارے خواجہ صاحب۔ سید محمود صاحب کا خط دیکھا۔ الحمد للہ کہ یہ صاحب یارانِ طریقت میں ہیں۔ خدا یکجائی نصیب کرے۔

آج میں عشرت سے ملنے پرتاب گڈھ جا رہا ہوں۔ اُن کی بیوی بچے پرتاب گڑھ گئے انشاء اللہ دو تین دن میں واپس آؤں گا۔ یہاں سب لوگ آپ کے دعاگو اور مشتاق ہیں الحمد للہ کہ میں بھی آپکی مدح کرنے کو اور آپ سے محبت رکھنے کو اور آپ کا مشتاق رہنے کو باعث سرور خاطر پاتا ہوں۔ حافظ جی کو سلامِ شوق۔ خود بانو کو دعا۔

سلہ دہلی سے واپسی الہ آباد کا تذکرہ ہے۔ ۱۲

خواجہ بانو کے احسانات کو نہیں بھول سکتا؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء

مکرمی سلمہ۔ دیوان سنگھ صاحب سے ایڈریس خوانی کا حال سُنا پہلے تو خوش نہ آیا لیکن تھوڑے سے تامل کے بعد فیصلہ کر لیا کہ آپ نے غلطی نہیں کی۔ بلکہ وقعت قائم رکھنے کے لیئے یہی مناسب تھا لہ

ادھر تو عزیزان دین کا پر اتھا　　ڈیر سر کے آگے اُدھر کیا دھر اتھا

حافظ ابراہیم حسن صاحب کو سلام شوق۔ ماسٹر حسن عزیز صاحب پریس اور مضامین کے شوق میں مست رہا کرتے ہیں۔ لیکن اب نار گھر میں بھی جانے لگے ہیں کہ ماسٹریٹ کا کوئی ستون قائم ہو جائے۔ سیدھے اور بھولے معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ کامیاب کرے۔

بھائی سنو لیا صاحب کی خدمت میں سلام شوق؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۱۔ جنوری ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ مٹھائی کا پارسل پہنچے گا پیشگی شکر ادا کرتا ہوں۔ مجکو خبر تھی کہ دیوان سنگھ دہلی جا رہے ہیں۔ میں اُن کا یہ مطلب سمجھا کہ کلکتہ سے واپسی کے وقت یہاں نہ ٹھہرینگے براہ راست دہلی جائینگے۔ اس غلط فہمی کا بہت افسوس ہوا۔

سلیمان اور عزیز صاحب نے یاران طریقت کے ساتھ خوب سترھویں منائی ماجد صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۱ر جنوری کو میں آتا۔ لیکن سلیمان صاحب رامپور سے آ رہے ہیں

لہ　جناب شوکت علی محمد علی صاحبان رہا ہو کر دہلی آئے تو ایک لاکھ قوموں نے خیر مقدم کیا۔ حسن نظامی نے دہلی کیطرف سے ایڈریس پڑھا۔ اس کا ذکر فرمایا؛　۱۲

اور ۱۶ کو محمد علی صاحب و شوکت علی صاحب کی آمد ہے لہذا اس کے بعد آؤں گا۔ سُنا ہے کہ خلافت کمیٹی نے ۱۲ کو الہ آباد میں بھی مدعو کیا ہے۔ ضروری تماشوں سے کون روک سکتا ہے لیکن ان صاحبوں کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ مسلمان نماز پڑھیں۔ ورنہ نہیں۔ صاحب لوگوں کو گاندھیت دکھانا سبحان اللہ لیکن عابد اور متقی اور صابر بنانا دینیات ہے۔ نول بھائی تو بڑے عابد ہو گئے ہیں۔ خدا کرے یہ پولٹیکل کمیٹیاں ان کو بہت پریشان نہ کریں۔ اب جو وہ چلے گئے ہونگے ورنہ آپ یہ میرا پیام چپکے سے اُن کو پہنچا دیجئے:

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۲۔ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

جناب خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ پرچہ آفتاب ۱۲ جنوری میں ظفر علیخاں صاحب کا مضمون دیکھیئے جس سے ظاہر ہے کہ وزیر اعظم برطانیہ نے دنیا کو عیسائیت کی طرف بلایا ہے اور کہا ہے کہ بغیر اسکے امن و امان قائم نہ ہوگا۔ اسکے متعلق میرا لطیفہ سُنیئے۔

امن امان قائم ہوگا جب جہنمی جہنم میں بند کر دیے جائینگے، بہشتی بہشت میں پہنچ جائینگے یہ بات قیامت میں ہوگی۔ اس کے لیئے حضرت عیسےٰ کی تشریف آوری ضروری ہے۔ لہذا میں یہ عوض اس کے کہ دنیا کو عیسائیت کی طرف بلاؤں حضرت عیسےٰ کو دنیا کی طرف بلاتا ہوں۔ اسکے لیئے دعا کرتا ہوں۔ کہیئے آمین۔

(چاہا تھا کہ آفتاب کو یہ لطیفہ لکھ بھیجوں لیکن آپ خود بھی نقل کر سکتے ہیں) خوب ہو کہ الہ آباد سے آپ اور سردار دیوان سنگھ صاحب روزانہ اخبار نکالیں۔ عزیز صاحب کو بھی میدان عمل مل جائے۔

میں صرف کبھی کبھی اپنی زندگی محسوس کرتا ہوں۔ ورنہ گم رہتا ہوں۔ ہاں موت میں تو رہتا ہوں بے معنی ہے یہ کہیئے برہم کنتھا میں حسین اور علی کو دعائیں۔ آپ کیسے ہیں وادھر کا کب قصد ہے؟

خاکسار۔ اکبر۔ ۱۸۔ جنوری سنہ ۱۹۲۰

سلہ حسن عزیز موجودہ ایڈیٹر ریفیدار۔ ۱۲ سلہ حسن نظامی نے ایک مضمون برہم کنتھا لکھا تھا اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

مکرمی خواجہ صاحب۔ تندرست رہئیے۔ ایمان سلامت رہے تحفہ میں نشاط زندگی اور
امید نمو بہت کم ہے۔ حواس باتوں میں کچھ الجھاوے ہیں لیکن نگاہ دل بہت بے تعلق ہو،
اور طرف دیکھ رہی ہے۔ پارسل پہنچا۔ لمپ خوشنما ہیں۔ تھینک یو ایک چمنی ٹوٹ گئی۔
محبت قائم رہے۔ کیوں نہ۔ اللہ کے لیے یہی ملاقات ہے۔ ورنہ ملاقات وقت کا
ضائع کرنا ہے۔ یا سوشل ضرورتوں کو پورا کرنا ہے۔
ٹیلیفون سے آپ کو آرام ملیگا۔ اگرچہ آجکل کون کس کی سنتا ہے؟
نیازمند۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۹ فروری ۱۹۲۰ء

ڈیر خواجہ صاحب۔ فی الواقع سردی ایسی ہوئی کہ ہر مبالغے کی گنجایش ہے۔ صرف
چار لمپ پہنچے ان میں سے ایک چمنی ٹوٹ گئی تھی۔ اب حسب ہدایت ایک ایک ہر ایک کو دیدونگا
بے چمنی والا اپنے حصے میں سمجھوں گا۔
مسٹن صاحب یہاں پہنچ گئے تھے۔ جوئندہ یابندہ۔ نواب صاحب بھی الہ آباد
پہنچ گئے تھے یاد اللہ ہوگئی۔
آپ کلکتے نہ گئے اچھا ہوا مفت کی زحمت تھی۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ یہ جلسے
حسب مراد گورنمنٹ ہیں۔ ایک بات مصلحتاً ضروری ہے۔ اچھا ہے عالم اسلامیہ ممنون ہوجائے
اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۱۔ فروری ۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ خواجہ بانو کو خدا خوش رکھے کہ میرا خیال رکھتی ہیں۔ گاجر کا
حلوا مجھکو نا موافق نہیں ہے۔ اگر اسکو بے انتہا ثقیل کرنیکا خاص اہتمام نہ کیا جائے معمولی طور پر
عمدہ دودھ گھی شکر میوہ ڈالکر جو بنتا ہے وہ مجھکو مضر نہیں ہوتا۔ یہاں بھی بن سکتا ہے۔ لیکن وہ درویشانہ
برکت دہلوی کہاں۔ اسکے متعلق ایک عمدہ لطیفہ ذہن میں آیا کہ بڑا حصہ تو خواجہ بانو ہی کو مل جائیگا

یعنی اجر۔ البتہ بنانا اور اتنی دور سے بھیجنا بِن زحمت ہے۔ لمپ کی کچھ جلدی نہیں ہے۔ ہوائے سرد ہنوز وامنگیر ہے۔ خدا کرے آپ بہمہ وجوہ صحیح و تندرست رہیں۔ اگر میں جلد نہ آسکوں تو مارچ میں یہاں یا لکھنؤ یا دونوں جگہ تشریف فرما ہو جیئے :

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۵ر فروری ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ دہلی پولیٹیکل شہر آپ سراج۔ ایسے آرٹ سے ترچھے فقروں سے اس مضمون کو دربار رس کر دینا آپ ہی کا کام تھا۔ دعوت اسلام کے سبب سے اسلام بھی مرحبا کہیگا۔ زندہ رہیے اور آسیب روزگار سے محفوظ۔ ۱؎

دو دن سے احتباس ریاح و درد سر کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔ جو معمولی حد سے زیادہ ہے آپ سفر سے کب واپس آئینگے۔ ۲۰ر فروری کو لاٹ صاحب نے گارڈن پارٹی میں یہاں مدعو کیا ہے۔ افسوس ہے کہ نہ جا سکوں گا :

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۱۷ر فروری ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ امید ہے کہ آپ خیر و خوبی سے دہلی پہنچ گئے ہوں۔ تبدیل موسم نے اخلاط سوختہ کو ہیجان میں لاکر مجکو زیادہ پریشان کیا ہے۔ ظاہرا اب بقیہ زندگانی اسی سلسلہ کے نذر ہوگی۔ خیر کسی طرح قصہ ختم تو ہو۔ ہمارے لئے کیا ایسا دلچسپ قصہ ہے جسکے ختم ہونیکا افسوس ہو۔ گاجر کے گاف سے گاندھی مقصود نہ تھے۔ اتنی دور کیوں جائیں۔ گر مقصود تھا۔ یعنی طلاوت ہم کو اور اجر دینے والی کو۔ اب اسکے دن گئے۔ معمولی غذا دشوار ہے۔

۹ ـ فروری کو ڈاکٹر اقبال صاحب تشریف لائے۔ کسی مقدمہ میں ضلع گیا کو گئے تھے مجھ سے ملنے کو اس طرف سے گذرے۔ ۳ دن رہے۔ اُن دنوں میں نے بہت پولیٹیکل نشاط طبع

۱؎ حسن نظامی نے ایک مضمون گورنمنٹ کو بھیجا تھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ ۱۲

پایا۔ دنیا بہ اُمید قائم۔

اب آپ کا پروگرام کیا ہے۔ اجمیر شریف کا قصد ہے یا نہیں۔ بچوں کو دعائیں۔

نیاز مند۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۵۔ مارچ ۲۰ء

مکرمی کمی قیمت[1] اور عام اشاعت بلکہ عام اجازت میرا بھی مقصود ہے۔ کبھی آئیے عشرت کو سمجھا دیجیے۔ مجھ سے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ سہ پہر کے بعد رعشہ کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ حصہ سوم ہنوز غیر مرتب ہے۔ تقاضا بہت ہے۔ دیکھیے ختم کر سکتا ہوں یا نہیں۔ مجکو اپنے نام کی اب کچھ پروا نہیں۔ اللہ کا نام کافی ہے۔ سکون طبع خدا عطا کرے۔ کل میں کہہ رہا تھا کہ دیکھوں مرض الموت کی کیا مدت ہوتی ہے۔ کون غمگساری اور خدمت کرتا ہے۔ بیکسی کا عالم ہے۔ محمد حسین میاں کے منہ سے نکلا کہ بہت جلد خاتمہ ہو جائیگا۔ آپ کیوں فکر میں ہیں۔ مجکو نہایت مسرت ہوئی۔ بلکہ ایک وجد کا عالم طاری ہوا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اپنی خیریت لکھتے رہیے۔ عشرت سے ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ خود اُنہی سے پوچھیے کہ اجمیر شریف کا قصد ہے یا نہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہ تیار نہیں ہو سکتے۔ مجکو انہوں نے جواب نہیں دیا۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۰۔ مارچ ۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ نماز بہت ضروری چیز ہے۔ اُسکی سرپرستی قرآن مجید کر رہا ہے۔ پیغمبر صاحب کا نام کر رکھا ہے۔ میری کیا بساط اور میرا کیا علم ہے کہ اس منصب جلیلہ کو قبول کر کے تماشا بنوں۔ اگرچہ ان روزوں تماشا ہی کا دور ہے۔ آپ ملیے تو اسکے متعلق بحث ہو۔ حاجی اسمٰعیل خاں

---

[1] حسن نظامی نے صلاح دی تھی کہ کلیات اکبر کم قیمت اور بکثرت شائع ہوں اور ہر شخص کو چھاپنے کا مجاز ہو۔ اس پر یہ لکھا تو رعشہ کا وقت بہت آسان ہوا۔ اسی کام کو اکثر فکر رہتا تھا۔ ۱۲

صاحب مستند القلم بزرگ ہیں اور ایسے کاموں میں صرف کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ آپ
سے ملنے اور چند روز تک ساتھ رہنے کا آرزومند ہوں۔ ۲۰-۲۲ دن میں شاید آسکوں۔ ہنوز ان کو
جواب نہیں لکھا۔ ادھر چلا آیا۔ زندگی رہی، حواس باقی رہے، یہی سمجھ میں آتی ہے۔ تو الٰہ آباد
پہنچ کر ان کو اطلاع دوں گا۔ مجھ کو تو یہ امید ہے کہ جو عمر ہو تو وہاں جب بھی آپ کو کب خبر نہیں۔
ہم لوگ کس شمار میں ہیں۔ البتہ چاہتے ہیں کہ وقت کٹے بقیہ زندگی سہل ہو۔ اللہ مدد کرے۔

اکبر حسین۔ پرتاب گڈھ۔ ۲۶ر مارچ سنہ ۲۰ء

ڈیر خواجہ صاحب معلوم نہیں آپ کہاں ہیں۔ کیسے ہیں۔ اس اثنا میں برابر علیل رہا پرسوں
۲۴ گھنٹے تک سخت درد سر رہا۔ آج پھر شروع ہوا تھا۔ لیکن کم ہو گیا۔
لکھنؤ جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ راجہ میاں صاحب مجھ سے ملنے کو یہیں آرہے ہیں۔ انکے
ساتھ مولوی عبدالباری ندوی پروفیسر مدرسہ اسلامیہ احمد آباد گجرات جنھوں نے حال میں مذہب
اور سائنس پر ایک کتاب لکھی ہے اور اس کو میں نے بہت پسند کیا۔ افسوس ہے کہ آپ سے ملنے
کی اس وقت کم امید ہے۔ آپ ضروری کاموں میں مصروف ہونگے۔ نماز[1] والے معاملہ کا مجھکو
خیال ہے۔ حاجی اسمٰعیل خاں صاحب نے بھی آنے کو لکھا ہے۔ زندگی تو بہرحال مشروط ہے
لیکن دماغ و دل کا کاموں کے قابل رہنا بھی ضروری ہے حسن عزیز صاحب کو عنقریب خط
لکھوں گا۔ خواجہ بانو ایڈ کو بہت دعائیں۔ "بنائے جاتے ہیں تن بے ہیں" میری یہ نظم
آجکل یاد آیا کرتی ہے۔　　اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۱۳ر مارچ سنہ ۱۹۲۰ء

مکرمی جناب خواجہ صاحب۔ اللہ تندرست رکھے۔ کارڈ پہنچا۔ مشغولیاں مبارک ہیں

[1] حاجی اسمٰعیل خاں صاحب نے نماز کی تحریک شروع کی تھی اسکی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

ناتندرستی کے سبب سے لکھنؤ میں قیام نہ کر سکا۔ پرتاب گڈھ میں رہ کر الٰہ آباد آیا۔ سفر ہی کیونکر کر سکتا۔ گرمی تیز ہو گئی۔ سہ پہر کو اضطراب اعصاب سے گرفت قلم دشوار ہوتی ہے۔ توانائی ہو تو سفر ہی میں زیادہ وقت بسر کروں۔

امریکن بہن حقیقت برہمن[1]۔ اس دوآتشہ لیڈی نے صرف نیکی بدی کی تمیز کو حسن قرار دیا۔ یہ یورپین پالسی میں ہو سکتا ہے۔ ہم اگر معصیت کریں اور جانیں کہ یہ معصیت ہے لیکن اسکو مخفی رکھیں تو نفس تو اس سے کیونکر بچیں اور جب اس اندرونی ملامت کی تکلیف رہی تو پھر حسن کہاں؟ بہرکیف خدا کا فضل چاہیئے ہم ہر ساعت گنہگار ہیں۔ شاہ سلیمان صاحب سے میرا سلام کہیئے ہیں اُن کا بہت مشتاق رہتا ہوں۔ افسوس ہے کہ میرے دو ایک خطوں کا جواب نہیں ملا۔

الحمد للہ کہ آپ نے بیماری سے نجات پائی۔ رعیت جب بادشاہ ہی کی طرف سے بےچین ہے تو آپ کیا فکر کر سکتے ہیں۔ خیر چند روزہ ایک شغل ہے۔ کچھ فائدہ ہو تو خوشی ہے۔ زندگی کی کچھ لذت اسی امید سے ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گی سلیمان اور رشید دونوں اچھی طرح ہیں آداب بجالاتے ہیں مشتاق قدمبوسی ہیں:

اکبر حسین۔ الٰہ آباد۔ ۲۰ر اپریل ۱۹۲۰ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کل خط لکھ چکا ہوں۔ امریکن لیڈی کی یہ بات پسند آئی کہ وہ آپ کی خدمت میں فال کھلوانے کو حاضر ہوئی۔ حکیم صاحب کا خط آیا۔ جواب لکھنا مشکل ہے۔ اشعار مانگتے ہیں۔ اس وقت میں کیا کہوں۔ واپسی خطاب پر بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں کو چاہیئے کہ نماز واپس لیں۔ ڈاڑھی واپس لیں۔ عورتیں پردہ واپس لیں۔ یوں اظہار رنج کریں ملت کا فائدہ

---

[1] ایک امریکن لیڈی جو برہمن سے منسوب ہیں حسن نظامی کے پاس آئیں اور کچھ علمی گفتگو کی اس کی نسبت حضرت کو اطلاع دی گئی تھی اس کا ذکر ہے: ۱۲

اور کچھ گناہ نہیں۔ مشرق اور ہمدم کا کاغذ اور چھپا یا ایسا بُرا ہوتا ہے کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ رعیت کو اس خرابی سے بچائیے گا۔ سخت نزلہ ہوا ہے۔ کل کچھ لوگ جمع تھے۔ آپ کی خانقاہ اور فیاضی کی مدح ہو رہی تھی۔ یہ ذکر تھا کہ وہاں برکت و انوار کا محل ہے۔ ایسا لذیذ دودھ یہاں یا کہیں نہیں ہوتا۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۲ اپریل ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ ما تا پتا والا شعر محض ایک بیگناہ لطیفہ تھا۔ معترض صاحب نے بدگمانی کر کے فقط اپنی کمزوری ظاہر کی تاہم میں نے معذرت کا عریضہ اُنکی خدمت میں اُسیوقت روانہ کر دیا۔ اس شعر کا ایسا پہلو تھا تو کسی اخبار نے اُس کو چھاپا کیوں، مضمون نگار نے بھیجا کیوں، مطلق خبر نہیں۔ ناک میں دم ہے۔ پوری بات منہ سے نہیں نکلنے پاتی تطرفانی کا موقع نہیں ملتا اور وہ بات مغرب سے مشرق اور شمال سے جنوب تک جا پہنچتی ہے۔ ظریفانہ پہلو طفل طبعوں کو بہت پسند ہے۔ بہرحال امید ہے کہ میرا معذرت نامہ ایڈیٹر صاحب ویش قبول فرمائیں۔

آپ کی مقبولیت پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ امید ہے کہ زرِ عطیہ امیر افغانستان[1] میں ایک معتد بہ رقم آپ کی خانقاہ کے حصہ میں بھی آئی ہوا۔

امام صاحب خطاب واپس کر دیں تو کیا حرج ہے۔ گورنمنٹ پر ظاہر ہو جائیگا کہ جبراً یہ بات ہوئی ہے۔ بہت جلد یہ باتیں داخل افسانہ ہو جائینگی۔ لیکن ہم لوگوں کو سخت تر بلاؤں کے لیئے تیار رہنا چاہیئے۔ ہمارا شہر الہ آباد بہت مقامات پر کھُدنے والا ہے۔ نئے نقشے آبادی کے بن رہے ہیں۔ سردار دیوان سنگھ صاحب کو سلام شوق و اشتیاق ملاقات۔ حسن عزیز صاحب کو دعا۔ اور آرزوئے ملاقات۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۵ اپریل ۱۹۲۰ء

ڈیر خواجہ صاحب۔ اللہ خوش رکھے معلوم نہیں امام صاحب پر آلآخر کیا گذری۔ یہاں

---

[1] علہ وفد کابل مسوری آیا تو اُس نے چار ہزار روپیہ حسن نظامی کو درگاہوں کی تقسیم کے لیئے بھیجے تھے۔ ۱۲

ایک مولوی صاحب علی الاعلان کانہ وعظ کہتے ہوئے گرفتار کیے گئے ضمانت دینے سے انکار کیا۔ ال نیمرلے ہئے جیل بھیجے گئے۔

ویش کو حسب ارشاد آپ کے لکھ دیا۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ ان اشعار میں کیا توہین کی گئی ہے۔ اونٹ کا یہ کہنا کہ میں ٹیبی عرب ہوں بے حد مفید جانور ہوں مجھکو کیوں ذبح کیا کرتے ہو۔ دیکھو ہندوؤں نے گائے کو ماتا بنا رکھا ہے تم بھی میری تقدیس کرو باپ بناؤ۔ یہ صرف شاعرانہ اخلاقی لطیفہ ہے ویش بھائی کیوں خفا ہو گئے۔ ضبط و تحمل سے کام لیتے مجھ سے پوچھتے۔ میں نے ان اشعار کو کبھی پاس نہیں کیا۔ معلوم نہیں کس نے کس اخبار میں لکھ بھیجا۔ اگر یہ اشعار قابل اعتراض تھے تو اخبار والے نے چھاپا کیوں جو انگریزی تعلیم اور زمانے کے اثر نے طبائع کو بہت بے ادب اور بدگمان کر دیا ہے۔ میں تو اپنی تصانیف میں اس قسم کے اشعار پاتا ہوں ؎

قومی حالت میں ہندو اور تم یکساں	کیا روک ہے پھر کہ ان کو بھائی نہ کہو
بیشک اس بات پر تعجب ہی بجا	گنگا سے ملو اور اس کو مائی نہ کہو

کٹارپور کے معاملے میں میں نے ایک حرف بھی نہیں کہا۔

افسوس ہے کہ شاعرانہ لطائف پر ویش بھائی نے ایسا مورد الزام کیا اور ایک فضول بات کو وقعت دی۔ آپ میری یہ تحریریں ان تک پہنچا دیں۔ میں نے یہ اشعار اپنی بیاض سے خارج کر دیے ہیں۔ میں پولیٹیکل رنگ کا مذاق تو کم رکھتا ہوں کیونکہ اپنا قانون ہی نافذ نہیں ہے۔ لیکن صوفیانہ رنگ میں ہندو فلاسوفی اور ہندو میلان طبع سے بہت مانوس ہوں۔ بارہا آپ سے اسکا ذکر کر چکا ہوں۔ ویش بھائی سے میں انعام کا طالب نہیں ہوں۔ بڑی بات یہی ہے کہ انکو رنج نہ پہنچے۔ بدگمانی نہ کریں معذرت چھاپ دیں۔ اعتراض واپس لیں۔ ان کو ذرا زیادہ زمانہ شناس اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ نیازمندان قدیم کو چشم زدن میں ساقط کر دینا بڑائی کی بات نہیں ہے۔ صاحب لوگوں کا اقبال جو چاہے کرے۔ مجھ سے تو ایک صاحب فرماتے تھے کہ ان اشعار میں شیخ صاحب ہی کی ایک گونہ توہین ہے۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۲ اپریل سنہ ء

ڈیر خواجہ صاحب۔ اس مضمون سے میرا مقصود یہ بھی تھا۔

عرب کے لیئے اونٹ اُس سے زیادہ ضروری ہے جس قدر گائے ہند کے لیئے۔ باوجود اس کے عرب اُس کو ذبح کرتے ہیں۔ ضروری و مفید ہونے سے اُن کے نزدیک کسی جانور کی تقدیس نہیں لازم آتی۔ رہا حکم مذہب وہ اس باب میں انکی کتاب میں بہت صاف ہے۔ باوجود اس کے جو اس وقت مسلمانوں نے گائے کی قربانی سے احتراز کرنے کا میلان ظاہر کیا ہے تو برادران ہند کو خیال کر لینا چاہیئے کہ یہ محض بخیال حسن معاشرت اور پاس ہمسایہ اور ازدیاد محبت باہمی اور ہمدردی کے ہے۔

وہ مضمون نا تمام تھا کسی صاحب نے بلا میری اطلاع کے اخبار میں بھیجدیا۔ اور چھپ گیا۔ دیش بھائی بدگمان ہوئے۔ ماتا پتا کے الفاظ صرف شاعرانہ مذاق تھی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ رومی لوگ دریائے طبرس کو باپ کہتے ہیں۔ فادر ٹائبر، انگریز لوگ شاید دریائے ٹیمز کو بھی فادر کہتے ہیں۔ لہذا ماتا پتا میں کچھ ہنسی کی بات نہیں ہے

ہم لوگوں کے لیئے رونے اور دعا کرنے اور عاجزی کرنے اور محبت بڑھانے کا وقت ہے۔ ہنسنا اور توہین کرنا کیا معنی؟ مجکو دیش صاحب نے خط بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اب آپکی محبت و قعت میرے دل میں چہار چند ہو گئی کیونکہ آپ نے معذرت کی۔ بہرکیف میں اُن کا نیازمند ہوں۔ میں مفصلہ بالا مضمون اُن کو نہیں لکھ سکا۔ مضمون نگاری اب ایک بار ہے۔ نواب عبدالمجید خاں صاحب آپ کو پوچھتے تھے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۴ر مئی ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ دامت الطافکم۔ حضرت سلطان المشائخ پر بھی اعتراض تھا کہ قزاقوں اور طوائفوں کو کیوں باریابی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ شاید اُن کو خدا توبہ نصیب کرے۔ عقیدتمند لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ اُن پر کیوں دروازہ بند کروں۔ خیر دنیا چل رہی ہے چلنے دیجیئے۔ ہم بھی

بہت جلد چلنے ہوں گے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۰ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

مدت سے آپ کا خط نہیں آیا۔ دل کو تعلق ہے۔ اخبار کا طالب نہیں ہوں۔ بلاوصول قیمت ہرگز نہ بھیجیے۔ ہاں کوئی خاص پرچہ آجائے۔ لیکن مراسلت رہنی چاہیئے۔ طبیعت شدت ترک تعلق کی طرف راغب ہے۔ ناتوانی روزافزوں، زندگی بدستور۔

مولوی بشیرالدین احمد صاحب نے دہلی کی پہلی تاریخ میں میرا ذکر بھی کیا ہے۔ اُن کا خط آیا ہے۔ خدا کرے پھر آپ کا مہمان بنوں۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۳ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ آج دو اخبار ایک ساتھ پہنچے۔ لیکن میں اپنے عدم استحقاق کا معترف ہوں۔ معلوم نہیں کتنے پرچے نکلتے ہیں۔ گھر میں سب کو دعائیں۔ اپنا حال کیا کہوں۔ ہوائے تند وگرد آلود نے آنکھ کھولنا مشکل کر دیا ہے اگرچہ آنکھیں سلامت ہیں۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۳ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

مکرمی تسلیم۔ آپ کے خط نہ آنے کا افسوس تھا۔ اسوقت آپ کے مضمون ذاتی عمل پر اعتماد دیکھکر گو افسوس جاتا تو نہیں رہا لیکن اُسکے زیادہ اظہار کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے یہ میرے اشعار جو چھاپے کہاں پائے۔ میں تو اسوقت بہت احتیاط و سکوت سے کام لیتا ہوں۔ آپ کو میری نزاکت تعلقات کا خیال نہ رہا۔ اب یہ اشعار ترجمہ ہو کر مشتہر ہونگے۔ بے نتیجہ اور ضرر انگیز بات سے بچتا ہوں۔ ورنہ کیا بات ہے۔ خیر اللہ مالک ہے۔ آفتاب کے کچھ ریمارک آپ کے برخلاف دیکھکر تعجب ہوا۔ آپ مجھ سے زیادہ آزاد ہیں آپ کو تو بڑا خیال رہتا تھا۔ معلوم نہیں اُس وقت آپ کہاں تھے۔ ہمدردی نہ سہی ضرر رسانی

سے تو احتراز چاہیئے۔ کم سے کم پوچھ لینا چاہیئے۔ نام کی تصریح کیا ضرور تھی۔ میں ضعف
اور تبخیر کے سبب سے اکثر اوقات ٹھیک نہیں لکھ سکتا۔ سالونیکا کا ذکر اب ترکوں کو چڑاتا ہی
آپ کو شاید صرف میری ظرافت کا اظہار مقصود ہوا۔ میری کوئی خطا ہو تو للہ معاف فرمائیے۔
چراغِ سحری ہو رہا ہوں ؎ لہ

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۶ ، مئی ۱۹۲۰ء

آپ کے خط نے اسوقت مجکو کچھ تسکین دی۔ اخبار کے مضامین بھی دلنشین ہیں، خط
اور اخبار سوا پانچ بجے پہنچے۔ تین بجے میں نے خطوط آپ کو لکھے۔ بہرحال یہ کارڈ آج کا
آخر کارڈ ہے۔ آپ کی علالت کا افسوس ہوا۔ میں رعیت ہی کو شوق سے پڑھ سکتا ہوں۔
بیسیوں اخبار آتے ہیں۔ کون پڑھے۔ رعیت کی زبان سمجھ سکتا ہوں۔ خیریت ہے کہ اعلےٰ
انگریزی داں اسٹاف میں نہیں ہیں ورنہ وحشت خیز میگزین ہو جائے۔ رعیت ملک میں
بھی اشاعت پائے تو بہتر ہے۔ آپ کے ارادہ تربیت مریدین سے ایک خلجان رفع ہوا
ملیئے گا تو کچھ باتیں ہوں گی۔ زندگی شرط ہے۔ احسان صاحب کو سلام۔ عیب سے پاک
دلبر کہاں ملیگا۔ خواہش تو ہمیں بھی ہے ؎

الہ آباد۔ ۲۷ ، مئی ۱۹۲۰ء

مکرم من۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ کم سے کم۔ منقول از مسودات سابق غیر مطبوعہ لکھدینا
چاہیئے تھا۔ اسوقت کیا محل تھا۔ اشعار اول کا اخیر شعر سلسلے میں کہا گیا تھا۔ نظم آیات
قرآنی کے اسی سلسلے میں طبع ہونا مناسب تھا۔ خیر آئندہ خیال رہے۔ عشرت کا ایک معاملہ
درپیش ہے۔ اللہ بدگمانیوں سے محفوظ رکھے۔ میں ہیجان تبخیر سوداوی سے پریشان ہوں سب

لہ اخبار رعیت میں حضرت کا ایک پرانا شعر سالونیکا سے اب تو سالونکا لوہم کو بہ چھپ گیا تھا۔ ۱۲

کو دعائیں۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۷ مئی ۱۹۲۱ء

مکرمی۔ الحمدللہ کہ انفلوئنزا سے آپ نے نجات پائی۔ میری تحریرات سابق کا کچھ زیادہ خیال نہ کیجئے گا۔ اوہام سوداوی بہت زیادہ ہیں۔ بیماری کے سبب سے حکام سے ملنا قطعًا بند ہے۔ تنہائی میں گزرتی ہے۔ کھانے پینے کا انتظام ٹھیک نہیں۔ آپ نے خود لکھا تھا کہ آپ کی بیکسی کا بہت خیال رہتا ہے۔ لیکن آپ بہت دور ہیں۔ اور مشاغل و مباحث میں غرق آپ کو مبارک ہو کہ دل کا بوجھ اتارنے کے لئے اخبار جاری ہے۔ وائے برحال میرے مضامین دل میں جوش مارتے ہیں۔ مگر کس سے کہوں۔ ہاتھ میں لکھنے کی طاقت نہیں۔ بجز چھپ جانے کے امید اثر نہیں۔ آج میں نے دیکھا کہ نظم الہامی کا اشتہار چوتھے صفحے سے غائب ہے۔ غالبًا اشاعت سابق کافی سمجھی گئی۔ مجھکو کلکٹر لکھ چکے ہیں کہ شورش کرنیوالوں کو منحصر لگائیے۔ لیکن علانیہ ایسا حکم کیوں نہیں جاری کیا جاتا۔ سوشل حالت کو برباد کرنا اور آپس میں رنج ڈلوانا ہے۔ سنا ہے پہلی جون کو یہاں کوئی جلسہ ہوگا۔ بہت لوگ جمع ہونگے۔ یہ تو فرمائیے رعیت سے امید نفع زر کی ہے یا نہیں۔ رمضان بعد ہو سکے تو دو چار دن کو آئیے۔ عبدالباری صاحب نے صحیح فرمایا کہ ہمارا ہادی قرآن پاک ہے۔ مجکو اپنا ایک شعر یاد آتا ہے ؎

جو پوچھا دل سے اس چھپنے کا کیا مقصود آخر ہے
شکم بولا کہ اسکی بحث کیا خادم تو حاضر ہے

پیٹ بڑا لیڈر ہے۔ چاہتا ہوں کہ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈروں لیکن بیوقوف مشہور ہونے سے بھی ڈرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ آئندہ میں نثر و نظم مضامین رعیت میں لکھوں۔ راقم نامہ نگار یا اور کچھ ہو۔ حسین مکتب میں کب بٹھائے جائیں گے؟ بہتر ہے کہ حافظ بھی ہوں ؏

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۹ مئی ۱۹۲۱ء

مکرمی ۔ ویسٹ بھائی نے مان لیا ۔ اور اُن کے اعلان نے مجھکو بھی خوش کیا ۔ دونوں کوہسار کی آپ کے یہاں کیا ہو رہا ہے ۔ رعیت کا کیا حال ہے ۔ اس زمانے میں ملنا ہوتا تو خوب باتیں ہوتیں تین دن سے یہ حالت ہے کہ معلوم نہیں ہوتا اچھا ہوں یا بیمار ۔

اکبر ۔ الہ آباد ۔ ۹ ۔ ۲ ۔ مئی ۱۹۱۲ء

مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ افسوس ہے کہ اس نظم نے طعن کی صورت اختیار کی ۔ وہ تو ایک لطیفہ تھا مطلب یہ تھا کہ ترقی ہوئی ۔ خواجگی سے شاہی ۔ لفظ رعیت نے یہ مضمون شاعرانہ پیدا کیا تھا ۔ بہرحال میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا اور نہ ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیئے کہ آپ مضمون نگاری اور اشاعت کتب و اخبار سے اعراض کریں ۔ آپ اپر کلاس کو اسی ذریعے سے اخلاقی اور روحانی تعلیم دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں ۔ جو قابلیت خدا نے دی ہے اُس سے کیوں نہ کام لیا جائے آپ کا دل بفضل خدا نسبت درویشی اور انوار سلسلہ سے مالامال ہے ۔ وہی کافی ہے ۔ اس زمانے میں وہ طالب نظر و سکوت کہاں ہیں ۔ غربا اور عام معتقدین کے لیئے کچھ تلقین بھی چلی جائے ۔ بہرکیف غلط فہمی جو پیدا ہوئی ہے اُس کو دور کیجیئے ۔ شروع ہی سے رعیت میں صوفیانہ تربیت طبیعت پر آپ کے مضامین ہیں ۔ سنا ہے کہ یکم جون کو یہاں جلسہ واعظین ہونے والا ہے ۔ اگر گورنمنٹ کوئی حکم جاری کر دے کہ ملازمان سرکار ان لوگوں سے نہ ملیں تو بات صاف ہو جائے ۔ لیکن حکام در پردہ تو یہی چاہتے ہیں مگر صاف نہیں کہتے اور پھر بغیر استفسار ضرر رسانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ جیسا مسٹن صاحب نے کانپور کے معاملے اور آپ کے مضامین پر میرے اور بعض میرے احباب کے ساتھ کیا ۔ لوگ عجب مصیبت میں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ

ے اخبار وطن لاہور نے حضرت پر ایک اعتراض کیا تھا ۔ اس کا جواب لکھا گیا ۔ اڈیٹر نے تسلیم کر لیا اس کا ذکر فرماتے ہیں ۔ ۱۲

جلد نجات دے۔ میرے تو قریباً کل عنایت فرما اسی مد میں آگئے ہیں۔ پھر لکھوں گا۔
دالیسی خطاب پر اصرار کے فوائد ہنوز آشکار نہیں ہوئے۔ جہاد یا صبر و یکسوئی کا بیان
تو کتابوں ہیں ہے۔ لیکن ہتیا چڑھانے اور چھوڑ دینے کے مصالح کہیں نہیں بیان کئے
گئے اسی لیئے غیر مسلم لیڈر کی ضرورت ہے؛

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۸ر مئی ۱۹۲۰ء

ڈیر خواجہ صاحب۔ ابھی ۵ بجے شام کو آپ کا کارڈ ملا۔ اطمینان ہوا۔ کیا دیوان سنگھ
صاحب وہاں نہیں ہیں۔ خدا آپ کی تاجرانہ ہمت میں برکت دے۔ میں کیا رائے قائم کر سکتا
ہوں۔ بہرکیف بازار کا رنگ دیکھتے رہنا چاہیئے۔ میں نے تو برہم کنھادا سے خواجہ سے
تعارف حاصل کیا تھا بفضلہ وہ اب بھی موجود ہے۔ موت والا مضمون غالباً اول ہی پرچے
میں تھا۔ خوب تھا۔ یہاں تو موت سامنے ہے مضمون کی کیا ضرورت۔ لیکن نیچر موجودہ کا اقبال
زمانے کو بدل رہا ہے سنیاسی اور ووٹ بازی کا شوق۔ تیمیو۔ تیمیو۔ میں گھبراتا تھا کہ ٹل
جاؤں لیکن طبیعت بدل گئی۔ بقول آپ کے اب غالباً وہ کوتاہ نظری اور گھبراہٹ نہیں ہے۔
بلکہ یہ تو ان کے لیئے ایک دلچسپ منظر ہے۔ میں اپنی جگہ خاموش ہوں۔ کوئی آئے تو
کیوں بھاگوں۔ کبھی حکیم صاحب سے آپ کا ملنا ہوتا ہے یا نہیں۔ سنا تو ہے کہ وہ بھی
یہاں آنیوالے ہیں۔ اگر رعیت تصوف کا بھی حامی ہو تو مضامین لکھ سکوں۔ گھر میں سب کو
دعا۔ کیا آپ روزہ رکھ سکتے ہیں؟

اکبر حسین ۔ الہ آباد۔ ۳۱ر مئی ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ دو دن سے رعیت نہیں آیا۔ کیا معاملہ ہے۔ امید ہے کہ

سلہ روزانہ اخبار جاری کرنے کا مشورہ لیا تھا اس کا یہ جواب ہے۔ ۱۲

سب خیریت ہو۔ جب حالات موجودہ پر نظر کرتا ہوں تو شاعری کا قافیہ بھی تنگ پاتا ہوں۔ مظہر صرف اللہ ہی اللہ رہ ہے لیکن یہ بات میں کہیں اور نہیں سُنتا۔ اپنی خیریت لکھیے۔

عفت مآب مجلس خواتین نے آپ سے مدد چاہی ہے۔ وہ پرچہ میں نے والدہ عقیل کو بھیجدیا ہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۵ جون ۱۹۲۰ء

جناب من۔ رعیت[1] آیا۔ اطمینان ہوا۔ طبائع کا اختلاف دیکھیے لکھنؤ سے ماجد کمپنی نے سالونیکا کی داد دی۔ لیکن یہ مستند نہیں۔ آپ نے اپنی تصویر خوب کھینچی۔ لیکن میں اس سے بہتر کھینچ سکتا ہوں۔ خیر۔ دن گزر رہے ہیں۔ عمر کٹ رہی ہے۔ گرمی شدید ہے۔ طریق عمل میں بڑی ابتری ہے۔ خدا جلد اصلاح کی صورت پیدا کرے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۷ جون ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ آپ نے مجھے گھمن[2] کا عاشق بنادیا۔ ماشاء اللہ کیا زبان کیا بیان، کیا بیان ہے۔

بھائی محمد حسین (دہی جو بہت جھک گئے ہیں) شدت سے علیل ہیں بمشکل سے بولتے ہیں۔ یا عباسیہ بھی سنائی دیتا ہے۔ بظاہر مہمان نفس چند ہیں۔ اللہم سب کی عاقبت بخیر کرے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۹ جون ۱۹۲۰ء

---

[1] اخبار رعیت میں سالونیکا والے شعر پر اعتراض ہوا تھا۔ اس کا اشارہ ہے۔ اسی پرچہ میں حسن نظامی نے اپنا حلیہ لکھا تھا۔

[2] روزنامہ اخبار رعیت دہلی حسن نظامی کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا اور اس میں ایک مشہور آدمی کا روز حلیہ شائع ہوتا تھا۔ گھمن کا حلیہ حضرت اکبر کو پسند آیا جو غیر معروف شخص ہے، مگر نمازی مسلمان ہے۔ ۱۱

ڈیر خواجہ صاحب۔ نماز میں جی نہ لگنے کا مضمون خوب ہے جزاک اللہ۔ میرا ایک شعر سن لیجئے ؎

یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیے پڑھنا نماز ۔ یہ بھی سن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیے

مضمون ایسا ہے کہ جہاں تک لکھئے گنجائش ہے۔ ابھی تو یہاں شدید گرمی ہے لیکن غالباً پانی برسا ہی چاہتا ہے۔ آپ سے ملنا ہو تو بہت مسرت ہو۔ دہرہ دون میں ایک دولتمند بزرگ مدعو کرتے ہیں۔ لیکن میں سفر کے قابل نہیں ہوں۔ آپ کو بیفکری کیونکر ہو سکتی ہے بہر حال خدا کا شکر ہے کہ کم از کم توموت ہر حالت میں آپ کے پیش نظر ہے۔ خودداری کا بھی خیال ہے۔ قلم سلامت رہے۔ دل کا بوجھ اتار اکرتا ہے۔ ہو سکے تو الہ آباد آ سیئے۔ مریدین بھی زیارت سے مشرف ہوں۔ میں نے سلیمان سے کہدیا کہ نماز والا مضمون سمجھ لے۔ محمد حسین میاں بدستور ظاہرا حالت نزع میں ہیں۔ خواجہ بانو اینڈ کمپنی کو دعائیں۔ اُن کے احسانات کو بھولا نہیں ع

بازہوائے چمنم آرزو ست

حسین کی کیا عمر ہوئی؟ اکبر حسین۔ الہ آباد ۱۲ جون ۱۹۲۰ء

جناب من۔ گھوڑا مر گیا۔ تانگا ٹوٹ گیا۔ کیا اچھے فقرے تھے مزا آگیا۔ شکستہ حالی بحال۔ داتا کا خیال۔ فقر کا رنگ۔ طاعت کی امنگ۔ اللہ ہی کے آگے ہاتھ۔ زندگی کے لیئے دنیا کا زبانی ساتھ۔ درویشوں کا جتھا۔ حق حق اور ہر ہم کہتا۔ خواجہ جئیں لاکھ برس۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔ محمد حسین میاں رات کوچ کر گئے۔ سانس کے کھیلے ہوئے تھے۔ ہمہ تن میرا مضمون اوپر خدا نیچے افیون۔ دل عبرت زدہ ہے دنیا غمکدہ ہے۔ نیدھا کی آواز آئی میرا سلام لکھ دیجئے۔ چھیدی میاں کہتے ہیں کمترین کا آداب۔ گرمی نے حواس کھو دیئے ہیں۔

ؑ یہ خط بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے نثر میں نظم ہے۔ حسن نظامی نے لکھا تھا میرا گھوڑا مر گیا۔ تانگہ ٹوٹ گیا۔ اسکے جواب میں یہ موتیوں کا مینہ برسا ہے۔ محمد حسین حضرت اکبر کے مکان میں رہتے تھے۔ خرچ حضرت کے ذمہ تھا۔ افیون کھاتے تھے۔ اللہ اللہ

اس کی نقل بھیج دیجئے گا۔ اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۴؍جون ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ آپ نے لکھ تو دیا کہ کمزوری کے سبب سے جواب طلب حصے کا جواب نہ لکھ سکا لیکن امید ہے کہ آپ کچھ نہ سمجھے ہوں گے کہ جواب طلب حصہ کونسا ہے جسکی طرف اشارت ہے اور مسکرائیے دو تین دفعہ پوچھا کہ حسین کتب ہیں کب بھجوائیے جا ئینگے میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے وہ یہیں داخل سمجھا۔ بہرکیف کوئی مطالبہ نہیں ہے گرمی کی شدت بڑھتی جاتی ہے اسا رہ بتو وہی ہے جو ہوا کرتا ہے تم وہ نہ رہے جو تھے۔

نیاز مند و مشتاق اکبر حسین۔ الہ آباد ۲۰ ؍جون ۱۹۲۰ء

(بداخاری صاحب کے نام)

دیو فرینڈ۔ خواجہ صاحب کی نئی تصنیف میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت میں گیارہ برس باقی ہیں کسی یورپین کی تحریر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مجھکو اپنا ایک شعر یاد آیا میں نے ایک دوسری دلیل قرب قیامت کی پیش کی ہے ایک اور شعر بھی اسکے ساتھ ہے ؎

آہوش میں لائی ہیں اب مایوسیاں نشۂ امید فردا ہو چکا

عشق سے کہدو قیامت ہے قریب حسن کا شتے یاں بے پردہ ہو چکا

(بے پردگی کا رواج) ایک اور شعر یاد آیا ؎

علمی خبروں میں یہ خبر بھی ہے عجیب شیطان کو ارتقائے دجال کیا

دسکی تاثیر بھی اسی تالیف سے ہوتی ہو شاعرانہ ایک خیال یہ بھی ہے کسی حسین کی عمر اس وقت ۳۰ سال کی ہے لہذا ۱۱ سال قیامت کو باقی ہیں ایک پرانا مصرعہ یہ بھی ہے ؏

ہے ملتوی قیامت تقسیم الیشیا تک

ممکن ہے کہ اسکی تکمیل کو ۱۱ سال باقی ہوں۔ اکبر۔ الہ آباد ۳۰ رجولائی ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب - یا اللہ کئی دن سے خیریت نہیں معلوم ہوئی - ماجد میاں صاحب اورنگ آباد دکن میں ہیں - ابھی خط آیا ہے - آپ کا ذکر خیر بھی ہے - اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دونوں صاحبوں کو کیسی محبت میرے ساتھ ہے جس پر میں خدا کا شکر کرتا ہوں ماجد صاحب علیل ہو گئے تھے لکھا ہے کہ پندرہ دن بعد لکھنو واپس آسکوں گا کیا عجب ہے کہ اسوقت تک آپ بھی تشریف لاسکیں - زندہ رہا - درد سر نے بہت بیحواس نہ کیا تو بعد عید میں بھی لکھنو جانا چاہتا ہوں حصہ سوم کے چھپنے کا انتظام کرنے کو ماجد میاں صاحب خود منتظم ہو جائیں اور پروف دیکھیں تو خوب ہے - پبلک کے تقاضوں کا خیال ہے ورنہ میں تو سیر ہو چکا ہوں - خود اپنی ہستی کا احساس بار ہے نہ کہ ساری دنیا کے تعلقات اسوقت مسلمانوں کو عظیم خطرات کا مقابلہ ہے - ع

اے قصہ گوئے بدر ضرورت حراکی ہے

پولٹیکل پہلو کو چھوڑ کر - روحانی مذاق کی حفاظت کے لئے جماعت قائم کیجئے -

اکبر - الہ آباد - ۶ راگست ۱۹۲۰ء

مکرمی - آپ کے کارڈ نے ایک جان تازہ پیدا کر دی - ہمنشین موافق کہاں ملتے ہیں - خدا کرے رجسٹرار صاحب[1] جلد ملیں میں ایک غیر معمولی شدید دوران سر میں مبتلا ہوں موسم بھی خراب ہے جلد تشریف لائیے - والسلام

نیازمند - اکبر الہ آباد - ۷ راگست ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب خدا کا شکر کیجئے کہ آپ کی زندگی مناسب اور غالباً مفید و دلچسپ

[1] مولوی نورالحسن صاحب الہ آباد میں رجسٹرار مقرر ہوئے تھے اور حضرت سے تعارف چاہا حسن نظامی نے تعارف کرا دیا اس کا جواب ہے مولوی صاحب صوفی مشرب آدمی ہیں ۱۲

کام اور خیال میں گزرتی ہے۔ کچھ سلسلے کی برکت ہے کچھ آپ کی ذات خاص پر فیض فطرت کا پرتو ہے۔ نواب صاحب اگر تشیع و تسنن سے بالاتر ہو کر اپنے آپکو صرف مسلمان کہتے ہیں تو اُن کو مبارکباد دینی چاہیئے۔ جب[1] انہوں نے صاف طور پر لکھدیا ہے تو آپ اس کو شائع کر دیجئے۔ ایسا ہو تو ہم بھی اُن کی حضوری میں کھلکر سانس لے سکتے ہیں آپ کو یہ کارڈ واپسی پر ملیگا۔ میں اتوار کو یہاں آیا۔ مدت سے عشرت کے لڑکوں کو نہ دیکھا تھا۔ اگرچہ حصۂ سوم کی اشاعت و طبع کے لیئے لکھنو کا قصد تھا لیکن اس وقت ملتوی کر دیا۔ موسم اچھا نہیں لکھنو محرم میں مشغول ہوگا اگر زندہ رہا، قابل سفر رہا تو انشاء اللہ آخر ستمبر میں جاؤں گا۔ طبیعت روز بروز زندگی کی طرف سے بے تعلق ہوتی جاتی ہے۔ ہر روز دو چار گھنٹے امید زندگی فردا سے الگ ہو جاتا ہوں ؛

اکبر پرتاب گڈھ ۔ ۸ ؍ اگست ۱۹۲۰ء

میرے الطاف فرما۔ اللہ خوش رکھے۔ کل مولوی نورالحسن صاحب ملے لیکن اتفاقاً اسی وقت نواب عبدالمجید خاں صاحب آگئے۔ پھر ڈاکٹر سلیمان صاحب قائم مقام جج ہائیکورٹ اور ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب پرنسپل علیگڈھ کالج اور دیگر حضرات تشریف لائے۔ خوب چہ میگوئیاں رہیں۔ مولوی نورالحسن صاحب سے خاطر خواہ باتیں نہ ہوئیں۔ تاہم اوروں کے چلے جانے کے بعد وہ بیٹھے رہے۔ آدمی نیک اور ذی ہوش اور سنجیدہ ہیں۔ صورت سے نہیں معلوم ہوتا کہ انگریزی داں ہیں۔ دو سو روپیے ماہوار پاتے ہیں کسی دن ان کی دعوت کر دوں گا۔ اس وقت تو میں نے دو آم نجری ان کو نذر کیئے۔ پھر

---

[1] حضرت سکندر حیات خان بہادر نواب احمد حسین صاحب رئیس پریاواں کی ایک تصنیف پر حسن نظامی نے دیباچہ لکھا تھا اور اس میں انکو شیعہ لکھا تھا۔ نواب صاحب نے اسکی اصلاح چاہی اسکی اطلاع ملی تو یہ خط آیا۔

آنے کے لیے کہہ گئے ہیں۔ آج سردی ہے، بارش کا سلسلہ قائم ہے۔ معدے کی
حالت خراب ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اب اچھے ہوں گے ؛

نیاز مند۔ اکبر حسین ۔ الٰہ آباد۔ ۹ / اگست ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ کل نماز مغرب کے فرض کی دوسری رکعت میں ایک سُرخ
بھڑ نے بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں اس زور سے کاٹا کہ سارے بدن میں درد اور تکلیف
کی بجلی دوڑنے لگی خدا کی مرضی تھی کہ سلام پھیرنے تک میں نے صبر کیا۔ امام نے جب سلام
پھیرا تو مٹی کے تیل اور تمباکو کی مالش ہوئی۔ ورم نے اپنا کورس پورا کرنا شروع کیا۔ نصف
شب تکلیف رہی۔ اب بفضلہ تخفیف ہے۔ ایسی تخفیف کہ سب کو تعجب ہے۔ کہتے ہیں کہ
کہ فرشتوں نے بچا لیا۔ میں کہتا ہوں کہ فرشتوں نے کاٹنے ہی کیوں دیا۔ حسن عقیدت کا
یہ خیال ہے کہ کسی بیماری کی آمد تھی خدا کی طرف سے یہ آپریشن ہو گیا خیر جو کچھ ہو۔ دنیا
تکلیف کا گھر ہے۔ یہاں کی راحتیں دام فریب ہیں۔ امید فرداوقت ضائع کرنے کے
لیے ایک نسخہ ہے۔ میں تو اسی سے خوش ہونگا کہ آپ الٰہ آباد آئیں۔ پہاڑ پر میں کہاں۔
حسین کو دعا۔ اُن کے مسکہ کھانے پر پیار آیا لیکن یہ بھی خیال آیا کہ آپ سے کہوں کہ جب
تشریف لائیے آدھ سیر تازہ گھی خانہ ساز لیتے آئیے۔

تلک صاحب کا ماتم ہر جگہ ہو رہا ہے۔ ہڑتال پر ذہن میں یہ لطیفہ گزرا ؎

میرا مرکز تو ہے مینی تال صرف   کیا تعلق ہے مجھے ہڑتال سے

یعنی مینی تال سنز آنر کا مقام ہے ؛

اگر ہم لوگ اسقدر نہ بلبلائیں، لائڈ جارج اور پوپ کے حضور میں رونا نہ روئیں تو
انگلو انڈین ویٹ وردانیوں اور قاجیوں کا پورا مزا نہ ملے۔ اس تصور سے بہت افسوس ہوتا
ہے۔ لیکن خدا ہی جانے کیا ہونا ہے۔ حوادث اپنا کورس پورا کر رہے ہیں۔ کل شام کو

آنریبل رضا علی صاحب (شیعہ) ممبر کونسل آئے تھے۔ کہتے تھے کہ وائسرائے کو جو نوٹس دیا گیا ہے صرف سنیوں کے اس پر دستخط ہیں۔ لیکن یہاں تو صرف ایک شیعہ ہی نے اسوقت تک خطاب واپس کیا ہے۔ یعنی آگرہ کے آلِ نبی صاحب۔ میں نے کہا کہ درحقیقت یہ شیعہ ہی کا کام ہے کہ گورنمنٹ وقت کی پروا نہ کرے اور مستحقین کا طرفدار رہے۔ خوب ہنسے۔ آپ نے اچھا کیا عشرت کو مبارکباد لکھدی۔ آپ کی محبت آہستہ آہستہ عشرت کے تصوف کو شریعت سے ملادے گی۔ سب کو دعائیں۔ خواجہ بانو صاحبہ کی والدہ کیسی ہیں۔ لحاف تو واپس کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن خانقاہ کا مال ہے۔ معاوضہ ضرور ہے۔

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۱ر اگست ۱۹۲۰ء

آپ کو مبارک ہو کہ آپ کے وعظ اور تہدید کا اثر ہوا۔ اور شاہ سندھی[1] نے رہائی پائی۔ خواجہ جی کی جے؛

اکبر الہ آباد۔ ۲۴ر اگست ۱۹۲۰ء

جناب خواجہ صاحب۔ آج عید قرباں ہے۔ آپ کے مرید اور اُن کے ساتھ میں بھی کمال عقیدت اور محبت سے آپ کی خدمت میں اور خواجہ بانو صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔ اور دعائے خیر چاہتے ہیں؛

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۶ر اگست ۱۹۲۰ء

---

[1] سندھ کے ایک پیر صاحب کو گورنمنٹ نے قید کردیا تھا۔ حسن نظامی نے اس پر مضمون لکھا اور گورنمنٹ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا۔ تین دن بعد پیر صاحب رہا ہو گئے۔ اس پر حضرت نے یہ مبارکباد تحریر فرمائی؛ ۱۲

حبیبی و مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ مجکو معلوم نہ تھا کہ آپ کو پھر بخار آ گیا تھا۔ الحمدللہ کہ خیریت دریافت ہوئی۔ آج صبح میں ایک گریجویٹ بدایونی سے کہہ رہا تھا کہ آپ کے مرید ہو کر سلسلۂ نظامیہ میں داخل ہو جائیں۔ کوشش و محنت سے خلافت حاصل کریں۔ اُن میاں سے بھی یہ باتیں ہوئیں۔ بالفعل یہی طریق عجیب اور باامن نظر آتا ہے جب ملیے گا تو باتیں ہونگی۔

پارسال اسی موسم میں میں بیمار ہوا تھا۔ ہر وقت ایک خلش رہتی ہے۔ بہرحال زندہ ہوں عشرت کی عبارت آپ پسند آئی میں خوش ہوا۔ اُن کو بھی لکھا۔ ابھی پارسل پہنچا۔ یہ نفیس تحفہ دیکھکر دل خوش ہو گیا۔ بہت کچھ لکھتا مگر لکھ نہیں سکتا۔ کیا اخبار مشرق آپ کی نظر سے گزرتا ہے؟

اکبر حسین۔ الٰہ آباد۔ ۲۷ اگست سنہ ۱۹۲۰ء

محبی و مکرمی زاد مجدکم۔ حسین پر پیار آیا۔ دیکھنے کو جی چاہا۔ اللہ اچھی اٹھان اٹھائے کرم کرے۔ کابل والوں نے آپ کی مدح کی مبارک ہو۔ قلم کے دیوتا تو آپ کے ساتھ تھے اب علم کے دیوتاؤں کو بھی اللہ سر پر سایہ فگن کر دے۔ رعیت سے تو اب آپ نے تعلق کم کر دیا عشق نے اس کو عقل و علم کے حوالے کر دیا۔ اگر ایسا ہوا تو زور بڑھ گیا حسن جاتا رہا لیکن میں کہوں گا۔ صورت سنور گئی۔ زندگی جاتی رہی۔

یہ سنکر کہ انگریز ڈپٹی کمشنر صاحب کشمیری قتل کر دئے گئے بہت تردد ہوا ہے۔ اللہ خیر کرے۔ خواجہ بانو کو دعا۔ حور بانو کو دعا۔ خدا کرے پھر اپنے آپ کو آپ کا یعنی خانقاہ نظامیہ کا مہمان دیکھوں۔ لیکن ہر وقت یہ خیال مستولی ہے کہ مہمان دم چند ہوں۔ شاید یہ خیال اسی موسم کا مہمان ہو۔ لیکن آخر زندگی کہاں تک۔

نیازمند۔ اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۲۹ اگست سنہ ۱۹۲۰ء

کرم فرمائے من۔ امید ہے کہ آپ کا سفر خیر و خوبی سے پورا ہو۔ درویشانہ ہو۔

لیڈرانہ نہ سمجھا جائے؛ اکبر۔ الہ آباد۔ ۳۱ ر اگست سنہ ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب خدا آپ کو مع الخیر سفر سے واپس لائے۔ خواجہ بانو کے لیئے شاید یہ پہلا وقت ہوگا۔ کہ ایسا لمبا سفر کریں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب آپ سے خوش ہوئے اسکی خوشی کروں یا اس بات کا افسوس کہ پیر محبوب شاہ صاحب سے معافی مانگنے پر لوگ ناخوش ہوئے۔ اور رعیت کا فتویٰ بھی یہی ہوا۔ بہتر یہ ہے کہ خوشی بھی کروں افسوس بھی۔ میں تو معافی مانگ لینے کو اتنا برا نہ سمجھا جتنا اس بات کو کہ وہ اکھاڑے میں اُترے ہی کیوں۔ بہرحال دعا ہے کہ اللہ رحم کرے۔ حق یہ ہے کہ شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ آدمی چپکا بیٹھے رہے۔ دنیا سے غرض نہ رکھے تو کھائے کیا؟ اور خدا کھانے کو دے بھی تو ہضم کیونکر ہو؟

اکبر۔ الہ آباد۔ ۳۱ ر اگست سنہ ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ فاطمی دعوت اسلام کا شکرگزار ہوں۔ اس محنت نیک خیالی دانشمندی کی داد دیتا ہوں۔ اللہ جزائے خیر دے؛

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۸ ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء

مکرمی خواجہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اطمینان ہوا کہ خواجہ بانو نے لحاف مجکو ڈیڈالا تھا۔ تھینکس۔ حسین کی لکنتِ زباں کی کچھ پروا نہ کیجیے۔ انشاء اللہ اُس کی آئندہ عظمت میں خلل نہ پڑیگا۔ دل لغزش سے محفوظ رہیگا۔ یہاں ایک ڈاکٹر صاحب نے ہندی پڑھانا اس کا علاج بتایا تھا۔ میرا دل تو اس بات پر جما نہیں۔ ہندو ڈاکٹر تھے۔ سمجھے کہ شین قاف میں پیچ یا پچ ہے۔ کا کھا گا گھا سیدھی راہ زبان کی ہے۔ کیا ہندی میں لکنت نہیں ہوتی۔ یہ لطیفہ سنیئے۔ گاندھی کے ساتھیوں میں جو میں وہ نیک ہی ہیں۔ مہراج

اور مہاجرت کے حرف ایک ہی ہیں۔ لوگ پوچھتے ہیں ان ہنگاموں کا کیا نتیجہ ہوگا ؟

یہ دھوتی سے باہر وہ پتلون سے — غرض کس کو ہے آج قانون سے

شاید اچھا جواب یہ ہے کہ دنیا نتیجے کی جگہ نہیں ہے نتیجہ آخرت میں معلوم ہوگا۔

اکبر الہ آباد۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

مکرمی دام الطافکم۔ دہلی کی طرف میرے دل کی کشش بدستور ہے آپ کے سبب سے لیکن ضعف روز افزوں ہے۔ حالات نہایت انتشار انگیز ہیں۔ اگرچہ بالآخر اسلام قبل قیامت فروغ پانے والا ہے۔ لیکن اس دور میں مسلمانوں کی تباہی کا خاتمہ ہنوز نہیں ہو چکا۔ اندیشہ ہے کہ افغانستان بھی مجبور کیا جائے۔ بہرکیف ہر مسلمان اپنی عاقبت بخیر ہونے کی فکر کرے۔ اتحاد و یکدلی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ بہت نہیں تو دو گروہوں میں یہ لوگ منقسم ہو جائیں گے اور اب بھی یہی حال ہے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

پیارے خواجہ صاحب۔ خدا خوش رکھے۔ حالات جو اخبارات سے معلوم ہوتے ہیں پریشانی بڑھانے والے ہیں۔ حکیم اجمل خاں صاحب نے کئی خطوں کا جواب نہیں دیا۔ معلوم نہیں، خاموش رہنے والوں سے بائیکاٹ ہو گیا کیا۔ پارس داس صاحب کا کیا پتہ ہے ؟

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

جناب خواجہ صاحب۔ شاید آخر نومبر میں آؤں۔ شاید نے لذت امید کو کم کر دیا شاید کو انشاء اللہ کے معنی میں پڑھنے کی کوشش کروں گا۔ میں بھی اس سرد مہری کو محسوس کرتا ہوں جو حضرت موجیدان دوستوں کو میری جانب سے ہے۔ حکیم صاحب نے کئی

خطوں کا جواب نہیں دیا لیکن کیا کیا جائے بے طاقتی سے مجبوری ہے۔ ضرورت بھی نظر نہیں آتی۔ آپ ایک رنگ میں چمک ہی رہے ہیں۔ مرکز بنے ہوئے ہیں۔ کافی مشاغل موجود ہیں، پھر تبدیل حالت کیوں؟ جس سے جو ہو سکے کرے۔ میرا خط پہنچا ہوگا۔ علی گڑھ میں آپ نے کیا دیکھا۔ میں بھی اخبار میں دیکھوں گا۔ طاقت کی جولانیاں تو دیکھ ہی رہے ہیں ضعف کا ہیجان بھی دیکھیے۔

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۷ر اکتوبر ۲۰ء

ڈیر خواجہ صاحب لیکن ترک اتحاد عمل کے خلاف ہو تو ڈیر کے جلنے دیجیے۔ کرمی جیبی خط پہنچا اطمینان ہوا۔ خدا آپ کو جلد تندرست کر دے اور آپ کی ملاقات سے شاد کام کرے۔ معمولی امراض کے علاوہ پانچ سات دن سے مجھکو اس قدر دوران سر رہتا ہے کہ اکثر چلنا دشوار ہوتا ہے۔ روائت موسم سے اس کو منسوب کرتا ہوں۔ عشرت سلمہ کی ترقی ہوئی ہے یعنی تنخواہ میں دو سو روپیہ کا اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے کچھ روپیہ خیرات کے لیے مجھکو بھیجدیا میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ اس میں سے صہ آپ کے ہاتھ سے مساکین کو دیا جائے۔ دو دو آنے دیجیے تو چالیس کو ملیگا۔ لیکن چار چار آنے میں غالباً بھوکا سیر ہو کر کھا سکیگا لیکن آپ کو اختیار ہے آٹھ آٹھ آنے دیجیے یا ایک ایک روپیہ یا جس کو جو مناسب سمجھیے رسید سے مطلع فرمایئے۔ اپنی خیریت لکھیے۔ ابن عربی کا مدت سے حال نہیں سنا سب کو دعائیں۔

نیاز مند۔ اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۶ر اگست ۲۰ء

کرمی۔ عزیز لکھنوی اور نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب مصر ہیں کہ میری نظمیں پردے کے متعلق یکجا ہو کر شائع ہو جائیں۔ میں کہتا ہوں کہ خواہ مخواہ بیگمات کے کوسنے کیوں کھاؤں۔ پردہ اکثر گھروں سے اٹھ جاؤں۔ میں نے تو صرف حالت زمانہ

بیان کر دی تھی۔ اصل بات تو یہ ہے، میاں بدے تو پی بی کیوں نہ بدلیں۔ بہر حال اگر یہ انتخاب چھپا تو میری معذرت بھی ہوگی۔

دلّی کو اہلِ دل سے خالی میں نہیں کہتا، خود آپ بڑے اہلِ دل ہیں۔ وہ شعر یاد بھی نہیں۔ بہ داخل تصنیف ہے۔ البتہ پولیٹیکل کہا یہ تو ہونا ہی چاہیئے ؛

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ یکم فروری ۱۹۲۰ء

مکرمی۔ دو باتوں کے متعلق میں نے کچھ نہیں لکھا۔ شاید لکھنا چاہیئے تھا۔ اطمینان ہوا کہ آپ نے حسین کے لیئے خود کوئی سائیکل نہیں خریدی تھی۔ مولوی صاحب نے بزور علم خوب تاریخ کہی۔ حور کے لیئے پری، اُن کو داد دیتا ہوں۔ لیکن شاعرانہ داد نہیں دے سکتا۔ مرد کے لیئے پری چہرگی کچھ خوب نہیں۔ مصرعے جو لگائے گئے ہیں پری چہرہ کے ساتھ قافیے صحیح نہیں۔ بہر حال مولوی صاحب مستحق داد ہیں۔ خوشی کا موقع ہے، ہیجے لگانے کی ضرورت نہیں آج نواب عبداللہ خاں صاحب مجھ سے ملنے آئے تھے۔ بڑی اونچی باتیں ہیں۔ کہتے تھے خواجہ صاحب میرے پُرانے ملنے والے ہیں۔ کہتے تھے کہ آپ کا ایک شعر وائسرائے کے سامنے پڑھا گیا ؎

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر ہم نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

عزت کے ساتھ قبول کیا گیا ؛

اکبر حسین۔ الہ آباد۔ ۲۷ جنوری ۱۹۲۱ء

سلہ حور بانو کے لڑکے کی ولادت پر ایک صاحب نے تاریخ کہی تھی اس میں لفظ پری چہرہ لیا تھا حضرت نے اس کے متعلق اظہار خیال فرمایا ہے۔ ۱۲

براہِ کرم فوراً مطلع فرمائیے کہ اُس دن میں نے کے روپیہ کے نوٹ آپ کو دیئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو میرے ذہن اور ارادے میں تھا اُس سے شاید کم تھے:

اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۸ر فروری سنہ ۱۹۲۱ء

پیارے خواجہ صاحب۔ تحریر حساب میں غلطی تھی رفع ہو گئی۔ آپ زحمت تحریر جواب کارڈ نہ گوارا فرمائیں۔ آپ تو احمد آباد میں ہونگے۔ خدا مع الخیر واپس لائے۔ میں زیرِ علاج ہوں خدا حی لایموت ہے۔ میرے لیئے حکم موت موت ہے۔ شاہ نظام الدین دلگیر آنیوالے ہیں۔ آپ کی موجودگی سُنکر بے چین ہوئے کہ جلد پہنچوں۔ لیکن آپ ۱۴ر فروری کو آنیوالے ہیں: بھائی سانولیا صاحب کو سلام شوق۔ گھی کا بہت بہت شکریہ۔ بچو نکو دعائیں۔

اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۹ر فروری سنہ ۱۹۲۱ء

پیارے خواجہ صاحب۔ ابھی آپ کو خط لکھ چکا ہوں کہ آپ کا خط پہنچا۔ واحدی صاحب کا خط بھی آیا۔ حور بانو سے کہیئے کہ خدا کی رحمت کے فرشتے تم پر سایہ افگن ہیں گھبراؤ نہ تم بڑے درجے کی بیبیوں میں ہو۔ ہماری بہن تم کو یاد کیا کرتی ہیں ہم لوگوں کو اپنے پاس سمجھو۔ زمیندار کا یہ اندھیر دیکھیئے۔ دو تین اشعار میں مجھ پر بدگمانی ہے کہ پنشن کے لالچ سے چپ ہوں یا اُدھر سے سازش ہے۔

میں تو چپ نہیں ہوں۔ پولیٹیکل کبھی نہیں رہا۔ فلاسوفیکل صوفیانہ طرز ہے۔ میرے مضامین کی اُن کو کیا خبر یا خواہ مخواہ کی کد ہے۔ عشرت کہنے میں خموشی اولےٰ۔ اگر انیسویں

لہ الٰہ آباد سے چلنے لگا تو کچھ نوٹ عنایت ہوئے۔ دہلی پہنچا تو کارڈ آیا کہ کتنے نوٹ دیئے تھے۔ پھر دوسرے دن یہ خط آیا۔ ۱۲۔

کی گواہی پر فیصلہ ہو تو جنت غیر آباد رہ جائیگی۔

شاید میں لکھ چکا ہوں کہ ادھر سے بھی تحریک ہے کہ طوفانِ بے تمیزی کو روکوں۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔ بیمار بھی بہت ہوں۔ ۲۴ گھنٹوں میں ۲۰ گھنٹے تکلیف میں گزرتے ہیں عشرت کو قائم مقام سلسلہ نظامیہ کر دیجئے بلکہ عقیل کو بھی۔ خدا آپ کو ایمان دے۔

الٰہ آباد۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۱ء

مکرم من۔ سنا کہ حور یا تو علیل ہیں اور آپ دہلی تشریف نہیں لائے تعلق خاطر ہے۔ واحدی صاحب کو خط لکھا تھا ہنوز جواب نہیں آیا۔ آج درگاہی شاہ آئے تھے میں اپنے امراض میں غلطاں پیچاں رہتا ہوں۔ اُدھر بدگمانیاں بڑھی ہوئی ہیں۔

آپ سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔ ماجد میاں دریاباد بارہ بنکی میں اقامت گزیں ہیں خط آیا ہے۔ آپ کا ذکر ہے۔ تاریخ بزرگاں سلسلہ آپ کے قلم سے چاہتے ہیں۔ خواجہ بانو کیسی ہیں۔ بچوں کو دعائیں۔ عشرت پرتاب گڈھ آ گئے۔

اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۱ء

محب اکبر۔ اگرچہ اپنی شکایتوں میں غرق و مدہوش ہوں۔ لیکن آپ کے متعلق امور میں دل لگا ہوا ہے۔ آپ کیا کرتے ہیں۔ حور کا کیا حال ہے۔ بچے کیسے ہیں؟ سلیمان ۶ دن کو کہہ گیا تھا ۱۶ دن ہو گئے نہیں آیا۔ خدا جانے کیا نیت ہے۔ عجیب خلجان میں مبتلا ہوں آپ کے متعلق بعض دلچسپ باتیں مجھ سے اور بعض صاحبوں سے ہوئیں۔ ملنا مقدر ہے تو ملئے گا۔

اکبر۔ الٰہ آباد۔ ۸ اپریل ۱۹۲۱ء

پیارے خواجہ صاحب۔ شدت امراض نے حواس میں خلل ڈالا ہے۔ ایک دوست

سوہاگپور ضلع ہوشنگ آباد سے لکھتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اپنی مجبوری میں مزہ آنے لگے تو مسئلہ تسلیم و رضا قلب پر اتنا گراں نہ گزرے۔

مجکو بہت پسند آیا۔ رسالۂ دین و دنیا کے لیئے نذر کرتا ہوں۔ ان صاحب کا پتہ بتادوں گا۔ میرے بھی دو ایک شعر سن لیجئے ؎

مغرب کی خود پسندی کام اپنا کر رہی ہو — معنی اُجڑ رہے ہیں صورت سنور رہی ہو

ہمکو بھی ناز کیا ہے، اپنا ہی ساز کیا ہو — تارو زبوں ہے تقویٰ شیخی ابھر رہی ہے

مقصود اگر یہ ہو اکبر محفوظ رہو آرام کرو — موقع کے مطابق بات کہو طاقت کے مطابق کام کرو

اکبر۔ الہ آباد۔ ۲۳ ؍ اپریل ۱۹۲۱ء

پیارے خواجہ صاحب۔ حوراب کیسی ہیں۔ میں زندہ ہوں لیکن نشاط زندگی کی بیحد کمی ہے سلیمان ادن سے رخصت ہوگیے ہے۔ رحمن بیمار ہوکر گھر چلی گئی ہے۔ احاطہ سنسان ہے عشرت بلاتے ہیں۔ کس پر گھر چھوڑوں۔ ماجد صاحب نے دریاباد بارہ بنکی میں سکونت اختیار کی لکھتے ہیں کہ ضرورت ہو تو الہ آباد پرتاب گڈھ آوں۔ درویشوں کا تذکرہ آپ کے قلم سے چلتے ہیں۔ عزیز لکھنوی مجھ سے ملنے آئے تھے متعجب ہوئے کہ یا تو وہ چہل پہل اور چمک تھی۔ یا یہ سناٹا۔ میرے اس نئے شعر کی بہت داد دی ؎

انہی الفاظ سے اب فتنۂ خفتہ کو جگاتا ہو — شریعت سر جھکاتا ہے طریقت دل لگاتا ہو

لڑکوں کو دعائیں ۔ آپ کا مشتاق

اکبر۔ الہ آباد۔ ۱۳ ؍ اپریل ۱۹۲۱ء

اللہ کے پیارے بندو! ساڑھے سات بجے کا وعدہ تھا کل سے تل مچا رہا تھا۔ بی زیبدا

نے بہت اہتمام سے دو چار ہانڈیاں پکائیں۔ ۹ بج گئے۔ بیبیاں بیٹھی ہیں۔ جھنجلا رہی ہیں۔ میں کہتا ہوں، پلاؤ مزعفر تو ہے نہیں، گوشت ترکاری، بورانی کی بات ہی کیا۔ لیکن دل میں کہہ رہا ہوں کہ ایسی وعدہ خلافی اور بے پروائی، چہ معنی دارد۔ قمر الدین صاحب کو تسلیم۔ ؎۱

اکبر حسین۔ الٰہ آباد۔ ۰ رمئی ۱۹۲۱ء

(ماجد میاں کا خط حضرت اکبر کے نام)

جناب معظم۔ والا نامہ کا شکریہ۔ انشاء اللہ دو تین ہفتوں میں قصد حاضری کا رکھتا ہوں جس وقت تک یہ صحبت نصیب ہو جائے غنیمت بلکہ نعمت ہے۔ آیندہ نسلیں اس صحبت کو حسرت سے یاد کریں گی، جیسے آج شیخ سعدی یاد کیے جاتے ہیں۔

یہاں قوالوں کا بڑا خاندان آباد ہے۔ ایک قوال ایسا ہے جو مدتوں شاہ محمد حسین الٰہ آبادی علیہ الرحمۃ و شاہ التفات احمد ردولی علیہ الرحمۃ وغیرہ کی خدمت میں حاضر رہ چکا ہے اور اس جوار میں مشہور ہے۔ اس کو میں نے جناب کی دو غزلیں یاد کرنے کو دی ہیں۔ ایک تو وہ "سب مجھے کیا خبر ہے کیا اثر" الخ والی جس کے تین ہی شعر مجھے ملے۔ مگر تینوں لاجواب ہیں۔ دوسری وہ غزل "نئی منطق اب ہوئی خضر رہ" الخ۔ یہ غزل بھی اپنے رنگ میں فرد ہے۔ مجھے متفرق طور پر تو آپ کے صدہا شعر حفظ ہیں۔ لیکن مسلسل غزلیں حافظہ میں نہیں ورنہ اور زائد ان لوگوں کو دیتا۔ آخر خسرو، جامی، عراقی وغیرہ جب اس قدر مقبول ہیں تو اکبر کے کلام کا سکہ کیوں نہ اس حلقہ میں چلے۔ زیادہ آداب۔

ماجد۔ دریاباد

۴ رجون ۱۹۲۱ء

؎۱ یہ خط مولوی نور الحسن سب رجسٹرار کے نام ہے۔ ۱۲

(عبارت جو ماجد میاں کے خط پر حضرت اکبر نے لکھکر بھیجی)

"آپ کے دوست ماجد میاں نے بڑی ترقی کی ہے، خدا کا شکر ہے۔ کل اُنکا خط آیا ہے ملاحظہ کو بھیجتا ہوں، خدا اُن کو مبارک کرے اور منزل مقصود تک پہنچائے۔ مجکو بھی، آپ کو بھی، ہر بندہ طالب کو سچ پوچھیے تو طالب ہی ہونا مشکل ہے۔"

مکرمی دام مجدکم۔ مدت سے آپ کا خط نہیں آیا۔ حوریا نو کیسی ہیں۔ میرے خطوط پہنچے ہونگے۔ اپنا حال کیا لکھوں، میری دنیا ہو چکی ہے، زندگی باقی رہ گئی ہے اُس کا بسر کرنا دشوار ہو رہا ہے۔ ع

بہے جاتے ہیں بے مقصود بحرِ زندگانی میں

امراض سے تکلیف ایک طرف، دنیا کی سرد مہری کا الم ایک طرف۔ یارانِ موافق کا ساتھ نہیں، خدامِ قدیم ندارد۔ عشرت منزل کی ویرانی اور اپنی معذوری پیش نظر۔ ماجد میاں جولائی میں آنیوالے ہیں، میں تو خود ہی یہاں عشرت میاں کا مہمان ہوں، مہماں نوازی کیا کرونگا۔ انبساطِ طبع کی امید ہے۔ آپ کب تشریف لا سکیں گے آپ غفور شاہ صاحب حسامی وارثی سے آگاہ ہیں؟ اُن کے متعلق مجکو عجیب معاملہ پیش آیا ہے۔

ایک خط میں ایک فقرہ لکھ گیا ہوں، اختصار اور معنی کو دیکھیے۔ عشرت میاں چاہتے ہیں کہ آرام سے رہوں، خوش رہوں، لیکن آرام کی عمر نہیں خوشی کی عملداری نہیں۔ غالباً اس فقرے کو آپ لٹریری اور پبلک مال قرار دیں۔

اکبر۔ پرتاب گڈھ۔ ۱۶ر جون ۱۹۲۱ء

افسوس

مجموعۂ خطوط حضرت اکبر کی ترتیب میں جس قدر اہتمام کیا گیا تھا وہ سب اکارت گیا اور خطوط تاریخ وار مسلسل نہیں لکھے گئے۔ جناب کاتب صاحب ترک موالات کی جدوجہد میں ایک گورے کے ہاتھ سے زخمی ہوئے۔ کئی مہینے آنکھ میں زخم رہا اسلئے خطوط کی اشاعت میں بھی غیر معمولی دیر ہوگئی۔ اور علالت چشم کے سبب کاتب صاحب تاریخ وار لکھ بھی نہ سکے جب میں نے کاپیاں دیکھیں اور جگہ جگہ خطوط کو آگے پیچھے پایا تو میرے رنج اور صدمہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مگر اب اس کی اصلاح آسان نہ تھی۔ تمام مجموعہ مکرر لکھوانا پڑتا اور خواہ مخواہ کئی مہینے کی دیر اور ہوجاتی۔ اسواسطے یہ ایڈیشن توجوں کاتوں شائع کردیا جاتا ہے۔ آئندہ اشاعت کیوقت اصلاح کردی جائیگی۔ ہر خط پر تاریخ موجود ہے ناظرین خود بھی سلسلہ کو درست کرسکتے ہیں"

آخری خط :۔ رحلت سے چندروز پہلے جو خط حضرت اکبر نے لکھا تھا اسکی تصویر آخر میں درج کیجاتی ہے تاکہ ناظرین کو حضرت کی تحریر کا اصلی نقشہ معلوم ہوجائے وہ یہ ہے:۔

الہ آباد ۲۷ر اگست ۲۱ء

جناب خواجہ صاحب - پھر آپ کا کرم خط آیا طبیعت کو تسکین ہوئی

پیر جی حسن نظامی کے عقد ثانی کی بابت میں نے خواجہ صاحب سے کیا مشورہ ہو - اس بارہ میں آپ اپنا حال [illegible] لکھ بھیجئے - اپنا حال کیا لکھوں جس قدر میں زندگی سے تنگ ہوں - زندگی [illegible] اندازہ نہیں

ورنہ [illegible] ختم ہو جاتی

اکبر حسین

سب کو دعا [illegible]

فاطمی دعوت اسلام

اس میں حسب ذیل مضامین ہیں:-

فاطمی دعوت اسلام کا مقصد۔ بنی فاطمہ کون ہیں۔ بنی فاطمہ کا امتیاز۔ صوفیہ سلسلوں کے بانی سادات تھے۔ داعی اسلام کے اوصاف و فرائض۔ دعوت کی شرائط۔ قرآن کا حکم دعوت اسلام۔ صرف اسلام دعوتی مذہب ہے۔ مسلمان بنانیکی غرض حضرت فاطمہ کے والد کی دعوت۔ آنحضرت صلعم کی دعوت پر ایک انگریز کی رائے۔ آنحضرت کی دعوت اسلام سے سبق۔ حضرت فاطمہ کے شوہر کی دعوت اسلام۔ حضرت امام حسنؑ کی دعوت اسلام۔ حضرت امام حسینؑ کی دعوت اسلام۔ تعزیوں کے ذریعہ سے اشاعت اسلام حضرت غوث الاعظم کے ذریعہ سے اشاعت اسلام۔ پیر کھپار اچھنڈے والے پیر اور حضرت حاجی وارث علیشاہ صاحب کے ذریعہ سے اشاعت اسلام۔ سہروردی اور رفاعی سلسلوں کے ذریعہ سے اشاعت اسلام ان مشائخ کا تذکرہ جن سے اشاعت اسلام ہوئی۔ موسیقی کے ذریعہ سے اشاعت اسلام۔ اسلامی جھنڈا۔ قبر کا طواف۔ صندل اور پھول چڑھانا۔ قبر کا غسل۔ خواجہ کی بدھی۔ خواجہ کی تلک وغیرہ کا تذکرہ اور تمام صوفیوں کی موجودہ اور گزشتہ مشائخ کے اشاعت اسلام کے طریقے۔ اسکے بعد شیعوں کی اسمٰعیلی فرقہ کی دعوت اسلام۔ اسمٰعیلیوں کے عقائد۔ اسمٰعیلی دعوت کے طریقے۔ بنی فاطمہ کی خلافت و دعوت۔ دروس کے عقائد۔ فاطمی خلفاء کے کمالات اسمٰعیلی فرقہ کے مذہبی درجے اور منصب مستعلی جماعت کی دعوت اسلام۔ اماموں کی ترتیب۔ حمزہ ملکہ۔ نزاریہ یا آغا خانی فرقہ کی دعوت اسلام۔ آغا خانیوں کی دعوت کے موجودہ کام پیر امام شاہ اور پیر مشائخ کی جماعتوں کی دعوت اسلام۔ پیری نام منتھہ میں اشاعت اسلام۔ اثنا عشری فرقہ کی دعوت اسلام۔ بوہروں اور آغا خانیوں کے خفیہ حالات۔ غرض اس قسم کے صدہا دلچسپ اور مفید مضامین اس کتاب کے اندر ہیں اسکے پڑھنے سے ہر مسلمان داعی اسلام بن سکتا ہے۔ قیمت ۱۲ؔ

کارکن حلقہ مشائخ دھلی

اتالیق خطوط نویسی حصّہ اوّل و دوم

خط لکھنے کے طریقے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی کے عہد طفلی کا نمونہ تحریر پھر پندرہ برس بعد کے خطوط۔ ۲۰ صفحہ تک۔

دوسرے حصّہ میں پہلے دیباچہ ہے اس کے بعد حضرت اکبر الہ آبادی کے خط ہیں۔ پھر مولانا ابو الکلام کے۔ پھر مولانا شبلی کے۔ پھر ڈاکٹر اقبال کے پھر نواب محسن الملک کے۔ پھر مرزا غلام احمد قادیانی کا۔ پھر حکیم نور الدین قادیانی کا۔ پھر مولانا ذکاء اللہ کا۔ ایک خوبی اس مجموعہ میں یہ ہے کہ ہر بزرگ کی دستخطی تحریر کا عکس بھی دیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ر

اتالیق خطوط نویسی حصہ سوم

اس میں تمام و کمال خواجہ حسن نظامی صاحب کے خطوط ہیں جو بیٹی کے نام۔ بیوی کے نام۔ دوستوں کے نام۔ مریدوں کے نام بھیجے گئے تھے۔ خطوط نویسی کے ان تینوں حصّوں کے پڑھ لینے کے بعد ہر شخص کو خط لکھنا بخوبی آجاتا ہے۔

ضخامت ایک سو چار صفحے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)